رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) من ذاالذی ھو اسعد منك۔ ترجمہ۔ وہ کون ہے جو تجھ سے زیادہ سعادتمند ہے۔ (۲) ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہیگا۔ (۳) ویل لکل ھمزۃٍ لمزۃ۔ ترجمہ۔ ہر ایک چغلخور اور عیب گیر پر لعنت ہے۔ ۱۸۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) کل الفتح بعدہ۔ سب فتح اس کے بعد ہے۔ (۲) مظھر الحق والعلاء۔ کأنّ اللہ نزل من السماء۔ ترجمہ۔ وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا گویا خدا آسمان سے اتریگا یعنی ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام فتوحات کا مجموعہ ہوگا۳ خدا آسمان سے اُتریگا۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) انّی مع الرسول اقوم و الوم من یلوم۔ ترجمہ۔ مَیں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا۔ اور اس کے ملامت کنندہ کو ملامت کرونگا۔ (۲) پس پاشدہ ہجوم۔ (اڑھائی بجے بعد آدھی رات) افسوس ناک خبر آئی ہے۔ فرمایا اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا مگر یہ انتقال ذہن بیداری میں ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔ (۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کر لیں۔ فرمایا معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) "من الناس و العامۃ" یعنی من خواص الناس و العامۃ۔ یہ طاعون کی طرف اشارہ ہے کہ اس مرتبہ طاعون کے حملہ سے کچھ خاص لوگ بھی مرینگے جو معزز ہوتے ہیں یا سفید پوش ہوتے ہیں اور عام لوگوں میں بھی مری پڑیگی۔ (۲) لولا الاکرام۔ لھلك المقام۔ ترجمہ۔ اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا۔ تو مَیں تمام قادیان کو ہلاک کر دیتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مریں گے اور یہ مرنا الہام انه اوی القریة کے مخالف نہیں کیونکہ اوی سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے کہ آخر قادیان کے لوگ بچائے جائیں گے بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ تحفة الملوك۔ اس کے معنے ابھی نہیں کھلے۔ بہر حال ملوک سے اسکو کچھ نسبت ہے۔ ۲۳۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ وان یروا اٰیۃً یعرضوا ویقولوا سحرٌ مستمر۔ ترجمہ جب کوئی نشان دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ معمولی بات ہے کوئی خارق عادت امر نہیں یا کوئی فریب ہے۔ سیھزم الجمع ویولّون الدبر۔ ترجمہ۔ عنقریب لوگ بھاگ جائیں گے اور پیٹھیں پھیر لیں گے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ وقت آتا ہے کہ خدا کے نشانوں سے انکار کی گنجایش نہیں رہیگی اور نشان ایسی وضاحت سے کھلیں گے کہ مُنہ بند ہو جائیں گے۔ رؤیا میں گویا مَیں کہتا ہوں یا کسی نے کہا ہے کہ اب جنازہ جاکر پڑھیں گے گویا کسی کا جنازہ ہے جو پڑھا جاویگا۔ لاتحزن ان اللہ معنا۔ ترجمہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے کسی دوست کو اس میں تسلّی دیگئی ہے گویا مَیں تسلّی دونگا۔ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء سخت زلزلہ آیا اور آج بارش بھی ہوگی۴ چنانچہ اسی دن بارش ہوگئی اور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء کی بعد رات کو سخت زلزلہ آگیا جسکی خبر تمام اخباروں میں چھپی ہے۔ ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ روز شنبہ۔ (۱) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس

۳ اور اسوقت حق ظاہر ہو جائیگا اور حق کا غلبہ ہوگا گویا

۴ خوش آمدی نیک آمدی۔

ضرورت ہے۔ دفتر ریویو آف ریلیجنز کے لیے ایک انٹرنس تک تعلیم یافتہ ہوشیار محنتی کلرک کی ضرورت ہے۔ انگریزی میں خط وکتابت کر سکتا ہو۔ اگر پہلے کچھ تجربہ کار ہو اور ٹائپ رائٹنگ جانتا ہو تو بہتر ہے۔ تنخواہ حسب لیاقت دیجائے گی۔ تمام خط وکتابت بنام نائب ناظم میگزین قادیان۔ ضلع گورداسپور۔ ہونی چاہیئے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

Digitized by Khilafat Library

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد (۶) بابت ماہ مارچ ۱۹۰۷ء نمبر (۳)

فہرست مضامین

آخری زمانہ کا مصلح - ۸۲-۱۰۸

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع - ۱۰۸-۱۲۰

طاعون کی ترقی - ۱۲۰

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام تا ۱۰ مارچ

صفحہ ۲-۳-۴-

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ ۱۹۰۷ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ [illegible]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

آخری زمانہ کا مصلح

دنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں وہ سب آخری زمانہ میں ایک مصلح۔ شفیع۔ مہدی یا مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ اس انتظار کی بنا ان پیشگوئیوں پر ہے جو خود بانی مذہب کے منہ سے نکلی ہوئی ہیں اور اب تک اصلی صورتیں یا کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں مشہور چلی آتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں یہ پیشگوئیاں مفصل اور واضح ہیں اور بعض حالات میں مجمل اور مبہم۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مختلف مذاہب میں جتنی پیشگوئیاں اس بارہ میں آئی ہیں وہ سب کی سب موعود مصلح کے نزول کے زمانہ اور مقام کے بارے میں باہم متفق ہیں۔ اور اگرچہ حقیقی اور واقعی طور پر مفصل اور واضح وہی پیشگوئی ہے جو بانی اسلام علیہ الف الف صلوٰۃ والتحیات والسلام کے مبارک دہن سے نکلی ہوئی ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب نے بھی جو نقشہ دیا ہے خواہ وہ کیسا ہی مجمل اور مبہم کیوں نہ ہو وہ بھی اسی نتیجہ پر ہمیں پہنچاتا ہے جس پر اسلامی پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں۔ اولاً دربارہ وقت نزول کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس موعود مصلح کے نزول کے وقت کے بارہ میں قریباً تمام اہل مذاہب کی پیشگوئیوں کا لب لباب یہ ہے کہ وہ "آخری دنوں" یا "آخری زمانہ" یا "زمانہ کے خاتمہ" پر نازل ہوگا۔ چنانچہ زردشتی پیشگوئی اس زمانہ کا نام "وقت کا خاتمہ" رکھتی ہے۔ یہودی اور عیسوی اور اسلامی پیشگوئیوں میں "آخری ایام" لکھا ہے۔ اور اہل ہنود میں اس زمانہ کا نام "کلجگ" رکھا ہے۔ ان تمام الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جو آدم سے چھ ہزار برس بعد آنیوالا ہے۔ اور خود طبیعتیں بتا رہی ہیں کہ یہ وہی آخری دن ہیں جن کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ان کے ماسوا ہر ایک مذہب میں اور بھی بعض علامات اور قرائن ایسے پائے جاتے ہیں جن سے یہ زمانہ معین کیا جا سکتا ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں اس امر میں متفق ہیں کہ پیغمبر آخر زمان کا نزول ایسے زمانہ میں ہوگا جبکہ دنیا پرستی اور طرح طرح کے بفاسد کی افواج ایسے زور شور سے جمع ہو جائیں گی جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں نہ گزری ہو۔ اور ہر ایک مذہب بیان کرتا ہے کہ موعود پیغمبر کے نزول کے ساتھ نیکی اور بدی اور خدا پرستی اور دنیا پرستی کے درمیان اسوقت ایک سخت خطرناک جنگ ہوگا اور آخر کار حق پرستی اور راستی کی افواج فتح پائے گی۔ چنانچہ زردشتی مذہب کی پیشگوئیوں کی رو سے

اس موعود مسعود کے نزول کے وقت شیطان قطعی اور آخری طور پر مغلوب ہوکر تباہ کیا جائیگا۔ اور دنیا ایک نیا رنگ اختیار کریگی۔ اور اس نئے دَور میں ابدی خوشی کی حکومت تمام دنیا پر قایم ہوجائے گی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے چانٹے سب نیست ونابود ہوجائیں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ "جب ہزار سال ہوچکیں گے شیطان اپنی قید سے چھوٹیگا۔ اور نکلیگا کہ تا اُن قوموں کو جو زمین کے چاروں کونوں میں ہیں یعنی جوج وماجوج کو فریب دے۔ اور انہیں لڑائی کیلیے جمع کرے۔ وے شمار میں سمندر کی ریت کی مانند ہیں۔ اور وے زمین کی وسعت پر چڑھ گئے۔ اور انہوں نے مقدسوں کی چھاونی اور عزیز شہر کو گھیر لیا۔ تب آسمان پر سے خدا کے پاس سے آگ اُتری۔ اور ان کو کھا گئی۔ اور شیطان جس نے انہیں فریب دیا تھا آگ اور گندھک کی جھیل میں ڈالا گیا" (دیکھو مکاشفہ $\frac{۲۰ باب}{۸-۱۰}$)۔ ایسا ہی ہندوؤں میں جو آخری زمانہ کا اوتار مانا جاتا ہے اُس کی نسبت یہی انکا اعتقاد ہے کہ "وہ ان سب کو برباد کردیگا جو شریر اور بدکار ہیں" اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں سے بہت واضح طور پر ظاہر ہورہا ہے کہ مسیحؑ اور دجّال کے درمیان ایک جنگ عظیم ہوگا۔ بعض نادان لوگوں نے جنہوں نے اسلامی پیشگوئیوں کو بنظر غائر تو کیا سرسری نظر سے بھی مطالعہ نہیں کیا اس جنگ کو جسمانی جنگ سمجھا ہے۔ اور اپنے خون آشام دلوں کی ہوسیں نکالنے اور جہلا کو دھوکہ دینے اور اسلام سے دشمنی کا بزنگ دوستی اظہار کرنے کے ارادہ سے اس کی اصلیت پر ایک مکروہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ایک روحانی جنگ مراد ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی عقاید کی رو سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہیں یہ تعلیم نہیں دی کہ وہ آپ ہی خدا اور خدا کا بروز تھے۔ بلکہ وہ یہی کہتے تھے کہ مَیں خدا کا ایک عاجز بندہ اور مخلوق ہوں۔ لفظ دجّال کا انگریزی میں انٹی کرائیسٹ ترجمہ کرتے ہیں اور اس کے لُغوی معنے ہیں مخالف مسیح۔ جبکہ حقیقی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ مسیحؑ خدا کا ایک بندہ تھا تو جو لوگ یہ اعتقاد رکھنے والے ہیں کہ وہ "خدا" اور "خدا کا بیٹا" تھے وہی درحقیقت مخالف مسیحؑ ہیں یعنی دجّال ہیں۔ اسی لیے اسلامی پیشگوئیوں میں جب موعودؑ کے پہلے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو دفع شر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ دجّالی فتنہ کو دور کریگا۔ اور جب اس کے دوسرے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو جلب خیر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایمان کو از سر نو دنیا میں لائے گا۔

ان تمام پیشگوئیوں سے متفقہ طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری ایام جن میں مسیح موعودؑ کا ظہور ہوگا ان میں بدی کا بہت سخت غلبہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے سوائے اس بدی کی کیفیت کسی مذہب نے بیان نہیں کی۔ مگر عیسائی مذہب کی پیشگوئیوں سے بھی کسی قدر اس کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جیسے مسیحؑ کہتا ہے "جب ابن آدم آئیگا تو کیا دنیا پر ایمان پائے گا؟" اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں مسیح موعودؑ کا نزول ہوگا وہ خطرناک طور پر ایمانی زوال کا زمانہ ہوگا۔ ایسا ہی ۲ تمطاؤس $\frac{۱}{۳ باب}$ میں لکھا ہے کہ "تُو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں بُرے وقت آویں گے۔ کیونکہ آدمی خود غرض زردوست۔ لاف زن۔ گھمنڈی۔ کفر کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک۔ بیدرد۔ کینہ ور۔ تہمتی۔ بدپرہیز۔ بیرحم۔

نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھرنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بہ نسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے۔ اور دینداری کی صورت میں ہو کے اُس کی قدرت کا انکار کریں گے۔ تو ایسوں سے دور رہ۔ کیونکہ ان میں سے وہ ہیں جو گھروں میں گھسا کرتے ہیں۔ اور ان چھچھوری رنڈیوں کو جو گناہوں تلے دبی ہیں۔ اور طرح طرح کی شہوتوں کے بس میں پھنس گئی ہیں۔ اور ہمیشہ تعلیم پاتی ہیں۔ اور سچائی کی پہچان تک ہرگز نہیں پہنچ سکتیں گرفتار کرتے ہیں" یہ تمام مفاسد معمولی قسم کے ہیں لیکن جس زور شور کے ساتھ جمع ہو کر اس زمانہ میں انکا غلبہ ہوا ہے جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اس سے یہ صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا یہی زمانہ ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں میں اس زمانہ کے خاص قسم کے فتنۂ عظیم کا ذکر بہت وضاحت سے اور کھلے طور پر آیا ہے۔ بعض پیشگوئیوں میں اس فتنۂ عظیم کا نام فتنۂ دجّال رکھا گیا ہے اور بعض میں صلیب پرستی کا غلبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اس بات کا ذکر کر آئے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی فتنہ عظیم کے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کے مطالعہ سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صلیبی مذہب ہی ایسا دین ہے جو حضرت مسیح کی اصلی تعلیم کے سخت مخالف ہے۔ اس لیے آخری زمانہ جس میں نزول مسیح موعودؑ ہونا مقدر تھا اس کی سب سے بڑی اور پہلی علامت یہی تھی کہ مسئلہ تثلیث اور کفارہ جو صلیب پرستی کی روح رواں ہیں دنیا پر محیط ہو جائیں گے۔ یہ ایسی علامت ہے کہ جس میں کوئی غلطی واقعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موعودہ فتنہ کی حقیقت اسی سے منکشف ہوتی ہے جس زمانہ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسوقت عیسائی مذہب میں اس جوش کا کچھ بھی اثر نظر نہ آتا تھا جو محض قیاس سے اس کے کسی آئندہ زمانہ میں غلبہ کی پیشگوئی کیجا سکتی۔ اور پھر اس کے بعد بھی مدت تک یہ مذہب اسی حالت میں پڑا رہا پھر اس آخری زمانہ میں جیسا کہ مقدر تھا اور پیشگوئیوں میں درج تھا صلیب پرستی کا دخان تمام قطعات عالم پر محیط ہو گیا اور ہر اقلیم میں جوق جوق مشنیں پھیل گئیں اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کو اس باطل پرستی میں پھنسانیکے پھندے لگا دیئے گئے۔ صلیب پرستی کے مذہب کی گذشتہ تواریخ پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ جو غلبہ اس نے اس زمانہ میں پایا ہے وہ کسی گذرے ہوئے زمانہ میں کبھی اسکو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے یہی وہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس کے ساتھ مصلح موعود کو اس آخری زمانہ میں سابقہ پڑنا تھا۔ اور چونکہ یہ فتنہ ہر چہار اکناف عالم میں پھیل چکا ہے اس لیے یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں موعود نبی کا نزول مقدر تھا۔ اس سے بڑھکر بڑا فتنہ اور کونسا ہوگا کہ یسوع مسیح جیسے عاجز انسان کو خالق الارض والسمٰوات حیّ و قیوم قادر مطلق خدا بنایا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر جو ایسی گندی تعلیم دنیا پر شائع کیجاتی ہے اسکی انکو کچھ بھی خبر نہ تھی۔ جبکہ قرآن شریف جیسی مقدس شہادت موجود ہو تو مسلمانوں کے لیے اس بات کا سمجھنا کیسا آسان ہے کہ فتنۃ الدجّال سے مراد درحقیقت صلیبی مذہب کے باطل عقاید کا ہی دنیا پر پھیلنا ہے جو تمام دینی حقایق و معارف کے سراسر مخالف اور معارض ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ آیت ۱۱۷ میں مسیح کی تعلیم لکھی ہے کہ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی و ربکم یعنی مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میرے خدا میں نے ان لوگوں کو وہی بات

کہی جو تو نے مجھے امر کیا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ قرآن شریف سے تو مسیح کی تعلیم یہ نظر آتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کی تاکید کرتے ہیں۔ اور موجودہ عیسائی مذہب اسبات کو پیش کرتا ہے کہ وہ آپ ہی خدا تھا۔ اب مقام انصاف ہے کہ اگر یہ فتنہ عظیم دجالی فتنہ نہیں تو اور کونسا فتنہ ایسا ہو سکتا ہے جس کو دجالی فتنہ کہا جائیگا۔ اسلام میں تو یہ بات بہت کھول کھول کر بیان کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی علامات ایسی ہیں کہ جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دجال کے فتنہ کے متعلق جتنی اسلامی پیشگوئیاں ہیں ان سب سے مراد عیسائی دین کے باطل عقاید کی اشاعت اور غلبہ ہے۔ منجملہ اُن امور کے ایک یہ امر قابل غور ہے کہ معتبر احادیث میں لکھا ہے کہ فتنہ دجال کے اثر سے بچنے کے لیے سورہ کہف کی پہلی دس آیات کو پڑھتے رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ عام طور پر ایک حکیم نسخہ سے مرض خبیث فنا کر سکتا ہے اسی طرح جس مرض کا علاج ان دس آیات میں کیا گیا ہے وہ مرض ان آیات کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جب ان دس آیات کو غور سے پڑھا جاتا ہے تو صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ ان آیات میں سب سے بڑا زور الوہیت مسیح کے ابطال پر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ کلام الٰہی کے ان فقرات سے ظاہر ہے۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

ترجمہ:- "اور اُن لوگوں کو ڈرانے کیلیے جو کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنالیا۔ نہ انہیں اس بات کا کوئی صحیح علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادوں کو کچھ پتہ ہے۔ ان کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلی ہے۔ وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے۔"

غرض ان آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ فتنہ الدجال سے مراد یہی صلیب پرستی ہے جس نے عاجز انسان کو خدا بنا دیا ہے۔ اگر عیسائی مذہب کے دلدادہ لوگ اس بات سے غصہ منائیں کہ انکے مذہب کو کیوں فتنہ الدجال کہا جاتا ہے تو یہ غصہ انکا بیجا ہے کیونکہ ہم تو یہ امر واقعہ بیان کر رہے ہیں حقیقت میں رنج تو ہمارا بجا ہے کہ جب وہ ہم خدا کی توحید کے ماننے والوں کے سامنے ایک عاجز انسان کو خدا بیان کرتے ہیں جو ہر طرح سے انسانی خواص اور حالات کے ماتحت پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ بلکہ توحید پر ایمان رکھنے والوں کو تو اس عقیدہ کے سننے سے بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اور انکی پرلے درجہ کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ کہ مسیح ابن مریم خدا تھا ایسا دل شکنی کرنیوالا کفر ہے کہ جس سے بڑھکر اور کوئی دل شکن کفر کبھی بولا ہی نہیں گیا۔ اگر مسیح ہی خدا تھا تو پھر ساری انبیاء کی تعلیمات باطل اور بیفایدہ ٹھہرتی ہیں۔ یہ تو ایسا بڑا باطل عقیدہ ہے کہ خود انجیل بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ جب کسی شخص نے مسیح کو کہا کہ "اے نیک استاد" تو مسیح اس بات سے بہت جھنجلایا کہ مجھے نیک کیوں کہتا ہے کوئی نیک نہیں ہو سکتا مگر وہ ایک ہی نیک ہے جو خدا ہے۔ یہ ایسی روشن بات ہے جس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح "وہ ایک" نہ تھا۔ علاوہ بریں الفاظ "خدا کا بیٹا" کوئی ایسے مخصوص نہیں کہ صرف یسوع مسیح پر ہی بولے گئے ہوں۔ بلکہ یہ بائبل کا محاورہ ہے کہ اس میں ہر ایک نیک بندہ خدا پرست کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے۔ خود مسیح نے ہی اسکی تشریح کردی ہوئی ہے چنانچہ۔ یوحنا ۱۰/۳۳ میں لکھا ہے۔ "یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کیلیے نہیں

بلکہ اس لیے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ مَیں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ مَیں نے کہا کہ مَیں خدا کا بیٹا ہوں۔" یہاں صاف مذکور ہے کہ مسیحؑ نے اپنے لیے ان الفاظ کو دوسرے برگزیدوں کی طرح ہی بیان کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ بعض دوسروں کو تو خدا کہا گیا ہے اگر خدا کا بیٹا کہلانے سے کوئی شخص خدا ہو سکتا ہے تو خدا کہلانے سے خدا کا بھی کوئی بزرگ سمجھنا پڑیگا۔ اگر مسیح کی نسبت یہ الفاظ کوئی خاص معنے رکھتے تو اُسکا یہ بیان بالکل غلط اور عبث ہوتا۔ غرض یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ مسیح نہ اپنے آپ کو خدا سمجھتے اور نہ خدا بنائے جانے میں خوش تھے۔ اور آجکل صلیب پرست لوگ جو جبراً اُن کو خدا بنانے پر اتنا زور لگا رہے ہیں وہ اُن کی تعلیم اور منشا کے بالکل برخلاف کرتے ہیں اور یہی مخالفت فتنۃ الدجّال کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ کیونکہ دجّال مسیح کے خلاف کارروائی کرنیوالے کا نام ہے۔

مسلمانوں میں جو پیشگوئیاں مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ اُس کے نزول سے پہلے ایمان دنیا سے اُٹھ جائیگا اور جب وہ آئیگا تو دوبارہ ایمان کو قایم کریگا۔ اسی مضمون کی بعض پیشگوئیاں عیسائیوں کی کتب مقدس میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے ایمان گم ہو جائیگا اور تمام لوگ حُبّ دنیا کی طرف ہی جھک پڑے ہوں گے۔ یہ امر بھی اُن معیاروں میں سے ایک مضبوط معیار ہے جس سے ثابت ہو سکتا ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں تمام دنیا کے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ ہی خدا پرستی اور دینداری کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ خدا پر ایمان سلب ہو گیا ہے۔ اور حب دنیا ایسی غالب آگئی ہے کہ دین کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی عام چھا گئی ہے۔ دہریت اور مادہ پرستی نے دلوں پر ایسا غلبہ پالیا ہے کہ کوئی پہلا زمانہ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اگرچہ اُن لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جو علی الاعلان دہریہ اور مادہ پرست کہلاتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہ بھی نرے ظاہر ہی میں خدا پرست ہیں اُن کے دل سچے ایمان اور اطمینان سے بالکل خالی اور معرا ہیں۔ دنیا کی محبت میں لوگ ایسے مجنون اور سرگردان ہو رہے ہیں کہ نہ کسی کے خدا پر ایمان رکھنے والے کا پتہ لگتا ہے اور نہ کوئی منکر خدا کی تمیز ہو سکتی ہے بعضوں کے ہونٹوں پر ایمان کا نام گو جاری نظر آتا ہے۔ مگر وہ ایمان حلق سے نیچے اُترا ہی نہیں حقیقت میں زمین پر سے ایمان بالکل اُٹھ گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہمارے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائیگا اور مسیح موعودؑ اس کو واپس لائیگا ایمان ثریا میں اُٹھ گیا ہے۔

ان کے ماسوا ایک اور قسم کے آثار عیسائی اور اسلامی پیشگوئیوں میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح موعودؑ کے نزول کے زمانہ کی شناخت ہو سکتی ہے۔ مگر دونوں مذہبوں کی پیشگوئیوں میں فرق اتنا ہے کہ عیسائی پیشگوئیاں جب

معمول کچھ مبہم سی ہیں۔ اور اسلام میں ان کا بہت واضح اور معین رنگ ہے چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ مختلف ملکوں میں قحط اور مری پڑے گی۔ اور زلزلے آئیں گے۔ اور متی باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ اُن دنوں کی مصیبت کے بعد تُرت سورج اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا" وغیرہ وغیرہ۔ تو اریخ عالم اس بات سے لبریز ہے کہ دنیا میں ہمیشہ قحط اور مری پڑا کرتی ہے اور زلزلے آیا کرتے ہیں۔ اور کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جس میں سورج اور چاند کو گرہن نہ لگتا ہو۔ اگر مسیح کا کلام ان معمولی امور کو بیان کرنے تک ہی محصور ہوتا تو اسکو لغو اور مہمل ماننے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر ان پیشگوئیوں کو پیشگوئیاں سمجھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کلام سے مراد کوئی ایسے خاص قسم کے واقعات اور حوادث ہیں جو غیر معمولی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اسلامی پیشگوئیاں بہت واضح اور اجلیٰ ہیں جو نہ صرف ان نشانات پر روشنی ہی ڈالتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی علامات بیان کرتی ہیں۔ جیسے متی نے لکھا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بہت مجمل اور مہمل الفاظ ہیں۔ لیکن اسلامی احادیث میں آیا ہے کہ مہدی کے زمانہ کی ایک یہ علامت بھی ہوگی کہ اسوقت ماہ رمضان کی تیرھویں تاریخ کو چاند کو اور اٹھائیسویں کو سورج کو گرہن لگے گا۔ اور یہ ایک ایسی علامت ہوگی کہ جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی واقعہ ہی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور جسکو اپنے مطلب کے موافق بنا لینے پر کوئی انسان قادر نہیں ہوگا۔ اب یہ ایک ایسی واضح پیشگوئی تھی کہ جو اپنے ظاہری الفاظ میں نہایت صفائی کے ساتھ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ اس کے مطابق ہی ۱۳ تاریخ ماہ رمضان کو چاند کو گرہن ہوا اور ۲۸۔ تاریخ اسی ماہ رمضان کو سورج گرہن ہوا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ جو دارقطنی میں بروایت محمد الباقر بن زین العابدین درج ہیں ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوات والارض ینکسف القمر لاول لیلة من رمضان وتنکسف الشمس فی النصف منه والآخر مثله البیھقی وغیرہ من المحدثین۔ ترجمہ۔ ہمارے مہدی کیلیے دو نشان ہیں وہ کبھی کسی دوسرے کے لیے آفرینش دنیا سے ہی واقعہ نہیں ہوئے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ماہ رمضان کے چاند کو گرہن لگنے والی راتوں میں سے پہلی رات چاند کو گرہن لگے گا اور سورج گرہن لگنے کے ایام کے نصف میں سورج گرہن ہوگا۔ اور اسی کی مانند بیہقی اپنی کتاب میں اور بعض دوسرے محدثین حدیثیں لاتے ہیں۔ ہمارے ناظرین غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ سورج اور چاند کو گرہن لگنے کے لیے قدرت نے وقت مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اور ان اوقات کے شمار کا انحصار قمری مہینوں پر ہوتا ہے۔ چاند کو گرہن اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ پورا مدور ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳۔۱۴۔۱۵ قمری مہینے کی تاریخیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں چاند کا دائرہ پورے طور پر گول ہوتا ہے۔ اور قانون الٰہی ایسا ہی ہے کہ ہمیشہ انہیں تین تاریخوں میں چاند کو گرہن ہوتا ہے انکے سوائے نہیں ہو سکتا۔ ان تاریخوں میں سے ۱۳ تاریخ پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ اسی طرح سورج ہمیشہ قمری مہینے کی ۲۷۔۲۸۔۲۹ تاریخوں میں گرہن میں آتا ہے۔ اور ان تاریخوں کی درمیانی تاریخ ۲۸ ہوتی ہے پس

اس حدیث کے موافق ۱۳ ماہ رمضان چاند کے گرہن کیلیے اور ۲۸ ماہ رمضان مذکور سورج گرہن لگنے کیواسطے مقرر تھی۔ جو اسی کے مطابق واقعہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ زمانہ نزول مسیح موعودؑ کی ایک اور علامت لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ خطرناک طاعون اُس زمانہ میں پھیلکر لوگوں کو تباہ کریگی۔ اب غور کا مقام ہے کہ جس شدت کے ساتھ طاعون مسلط ہوکر اس ملک ہندوستان میں مخلوق کو ہلاک کر رہی ہے وہ اس بات کیلیے کافی گواہ ہے کہ یہی زمانہ آخری موعود زمانہ ہے۔ چالیس لاکھ سے زیادہ انسان اس مہلک وبا کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کی آبادی کے سامنے یہ تعداد ۱/۲ حصہ کے قریب ہوتی ہے لیکن اگر اتنی تعداد انسانوں کی کسی دوسرے ملک میں بھیجی جائے تو اس سے وہ ملک ہی آباد ہوجائے جن جن علاقوں میں طاعون کا دور دوران ہوا ہے ان میں اکثر دیہات تو اس نے اسی طرح بالکل ویران کردیئے ہیں کہ ان میں ایک متنفس بھی زندہ نہیں رہا۔ اور تمام در و دیوار لاوارث ہو گئے۔ اور بے شمار قریوں اور بستیوں میں ایسی تباہی ہوئی کہ آبادی کا دسواں حصہ بھی باقی نہ بچا۔ ابھی اسکا خاتمہ نہیں ہوا ابھی تو شروع ہی ہوئی ہے اور دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے تنزل کا نام تک نہیں آیا۔ خدا معلوم کیا کر کے رہیگی۔ اس خطرناک نشان کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ موعودہ یہی زمانہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس آخری زمانہ میں ایسے متواتر اور خطرناک زلازل ہوں گے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ معمولی زلزلے نہیں۔ بلکہ غیر معمولی ہیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ خطرناک زلزلہ جس کی طرف قرآن شریف کا خاص اشارہ ہے واقعہ نہیں ہوا جس کی نسبت لکھا ہے کہ زمین بہت خطرناک شدت سے جنبش دیجائیگی۔ لیکن ابتدائی زلزلے ہی جو رو داد ہو رہے ہیں ان کی شدت اور غیر معمولیت ایسی نمایاں ہو رہی ہے کہ تمام عالم کی توجہ انہیں کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ دنیا کے تمام باخبر لوگ اور اہل جراید اور اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زلزلے دنیا میں غیر معمولی طور پر واقعہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ پایونیر جیسے معتبر اخبار نے بھی کچھ عرصہ گذرا ہے کہ بہت صفائی کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ ایسے شدید اور خطرناک اور تباہ کن زلزلے واقعہ ہوئے ہیں کہ جن کی مثال اگر ممکن ہوسکتی ہے تو شاید پہلی عیسوی صدی میں ہوگی۔ ورنہ تاریخ دنیا نظیر پیش کرنے سے ساکت ہے۔ اور حال میں ہی اخبار سول میں یہ لکھا گیا ہے کہ تمام سمجھدار آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ زمین کو کیا ہوگیا کیونکہ تاریخی زمانہ میں ایسے تباہی افگن زلازل کی کثرت اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس نشان کی رو سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ موعودہ آخری زمانہ یہی زمانہ ہے۔ اس کے ماسوا اس زمانہ کا یہ بھی ایک نشان لکھا ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج روکا جائیگا۔ اسی طرح اونٹ جو کہ باربرداری اور سواری کیلیے سب سے اعلیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی تھی اس کا معطل ہونا اور اس کی بجائے نئی قسم کی سواریوں کا ایجاد ہو جانا۔ دریاؤں کا پایاب ہونا اور کثرت سے نہریں بنائی جانا۔ علوم اور صحائف کا زور سے انتشار ہونا وغیرہ نشانات آخری زمانہ کے ہیں جس میں مسیح موعود کا نزول مقدر تھا۔ اور یہ سب نشانات پورے ہو گئے ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہی زمانہ موعودہ آخری زمانہ ہے

جس میں مسیح موعودؑ نے نازل ہونا تھا۔

ان تمام مذکورہ بالا نشانات کے علاوہ ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں کہ جن کی رو سے زمانہ کے شمار کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ شروع ہوگیا ہے۔ مسیح موعودؑ آخری زمانہ کا مثیل اور آدم ثانی کے ناموں سے بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اور آدم اول سے آدم ثانی تک جو زمانہ گذر رہا ہے وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ جو ہر ایک حصہ ایک ہزار سال کا ہوتا ہی پھر آدم ثانی کے نزول سے ساتواں ہزار شروع ہوگا یعنی ساتواں حصہ دنیا کے وقت کا شروع ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی ابتدا مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ مقدر تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتب میں اس آخری حصہ کے بارے میں بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں اکثر امور میں باہم اتفاق نہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے ان تمام پیشگوئیوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس آخری دَور دنیا میں بدی کی طاقت قطعی اور آخری طور پر تباہ کیجائیگی۔ یہ امر عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں بڑے زور سے مانا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کی بنا کوئی سچی پیشگوئی ہے۔ ایسا ہی اہل مذہب زردشت بھی اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں (دیکھو جیویش انسائیکلو پیڈیا ضمن مضمون بعنوان ملینیم) حقیقت میں یہ خیال ہر ایک مذہب میں ایسا شہرت یافتہ ہے اور ایسی مضبوط بنا رکھتا ہے کہ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے مجبور ہیں کہ اس کی اصل سچی الہامی پیشگوئی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ قمری حساب کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اسلام میں یہ پیشگوئی اور بھی واضح الفاظ میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سورۃ السجدہ میں لکھا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون۔ ترجمہ: "آسمان سے زمین تک امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھیگا جسکی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی" یہاں امر سے مراد دنیا کی اصلاح ہے کہ جس میں ایمان جو دنیا سے اٹھ گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ اور اس آیت کریمہ کی منشا یہ ہے کہ وہ ایمان جو دنیا پر دوبارہ قایم ہوا ہے اس پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہوجائیگا اور آسمان پر اٹھالیا جائیگا۔ صحیح احادیث میں لکھا ہے کہ راستی کا یہ غلبہ تین قرنوں تک رہیگا جو تخمیناً تین سو برس کے قریب ہوتی ہیں۔ یعنی حضرت سلطان الانبیاء شہنشاہ مرسلین سیدنا محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد تین سو برس تک راستبازی کا دنیا پر غلبہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا تاریکی کا زمانہ آئیگا جو ایک ہزار برس تک رہیگا۔ جس میں شیطان کے زنجیر کھولے جائیں گے۔ اور بدی راستبازی پر غالب آ رہیگی۔ اس زمانہ کے لوگوں کو اصطلاح شرعی میں فیج اعوج کہا گیا ہے جس کے معنے ہیں بگڑی ہوئی جماعت۔ اس ایک ہزار سال کی ایک تاریک رات کے بعد جب دجالی فتنوں کا اثر حد نہایت کو پہنچ چلیگا اور لوگ گمراہ ہوچکیں گے۔ تو پھر صداقت کا آفتاب دنیا پر طلوع فرما کر اندھیرے کی افواج کو پسپا کریگا۔ اور نور ہدایت کی شعاعوں سے عالم کو منور فرمائیگا۔ اس طرح گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ سو برس بعد مسیح موعودؑ کا ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ تیرہ سو برس گذر گئے

ہجری سنہ چودھویں صدی شروع ہو گئی ہوئی ہے۔ اب ان دونوں حسابوں کے شمار کی رو سے یہی بات قرار پاتی ہے کہ نزول و ظہور مسیح موعودؑ کا یہی زمانہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی مامور و مرسل کے ظہور و نزول کے زمانہ اور اس کی صداقت کی معرفت کیلئے صرف ایسی پیشگوئیاں ہی اکیلا معیار نہیں۔ پیشگوئیاں عموماً استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ اور عوام الناس اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ان کے لفظی طور پر پورے ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس باعث سے سخت غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور نفس مطلب کو پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلیے ہم نے اس بحث میں پیشگوئیوں کی تفصیل پر ہم نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تفصیل میں داخل نہیں ہوئے۔ ہم نے وہ موٹے امور بیان کر دینے پر یہاں اکتفا کیا ہے جو مختلف مذاہب میں متفق علیہ ہیں۔ اور انہیں امور کا تذکرہ کیا ہے جو ہر مذہب میں قریباً ہم رنگ مانے جاتے ہیں۔ اور جو متفق علیہ ہونیکی وجہ سے حقیقی طور پر نفس امر کا مغز۔ اور اصل اصول ہیں۔ اور دوسرے تمام امور ان کی تفاصیل اور تشریحات ہیں۔ آخری زمانہ کے مصلح کے ظہور اور نزول کے زمانہ کے متعلق ہم نے چند ایسے اصولی امور بیان کر دیئے ہیں جن پر ہر مذہب کو مشترک طور پر اتفاق ہے ہم نے ایسے امور کو لیا ہی نہیں جن میں اختلاف موجود تھا۔ اسی طرح اب ہم ذیل میں یہ امر دکھائیں گے کہ اس آخری مصلح کا ظہور و نزول پیشگوئیوں کی رو سے اسی ملک میں ہونا ضروری تھا یسعیاہ ۴۱/۲ میں مامور آخر زمان کے نزول کے متعلق لکھا ہے "وہ کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف سے برپا کیا"۔ اسی طرح مشہور و معروف فارسی مصلح زردشت موعود مصلح آخر زمان کے متعلق کہتا ہے کہ وہ مشرقی علاقہ میں ہی پیدا ہوگا۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنی استعاروں اور تماثیل سے بھری ہوئی زبان میں یہی فرماتے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب ہی میں نازل ہوگا۔ کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ مسیح کا آنا بجلی کی چمکار کی طرح ہوگا جو مشرق میں چمکتی ہے جس سے صاف یہی پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول مشرق ہی میں ہوگا۔ ایسا ہی حضور فخر موجودات سرور رسل محمد مصطفٰے صلعم نے مشرق ہی کی طرف اپنی مبارک اُنگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ مسیح موعودؑ اور دجّال کے درمیان اسی طرف سے جنگ شروع ہوگا۔ اور اسپر اور وضاحت سے فرمایا کہ مسیح موعودؑ ایک ایسے مقام میں نازل ہوگا جو دمشق سے مشرق کی سمت واقعہ ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں میں مشرق پر اتفاق کے معنے کیا ہیں؟ اس کے متعلق ہم اتنا لکھنا چاہتے ہیں کہ عہد نامہ عتیق کی رو سے جو علاقہ دریائے دجلہ اور فرات سے پار مسوپوٹامیہ آرمینیا اور ایران سے ورے واقع ہے وہ مشرق ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت رسول کریم محمد مصطفٰے صلعم کی پیشگوئیوں میں عرب اور شام سے مشرق کی طرف کے ممالک پر مشرق کا لفظ چسپاں ہو سکتا ہے لیکن زردشت کی پیشگوئی میں بھی جو خود ایران کا رہنے والا ہے اس آخری موعودؑ کے نزول کی جگہ مشرق ہی بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موعود کے نزول کیلیے کوئی ایسی سرزمین مقدر ہے جو فارس سے بھی مشرق ہی کو واقعہ ہے۔ غرض ہندوستان سے مغرب کی طرف اقالیم میں جس قدر پیشگوئیاں اس موعودؑ کے متعلق موجود ہیں اُن سب میں مقام

نزول موعود مشرق ہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کلجگ کے خاتمہ پر ایک عظیم الشان اوتار نازل ہوگا اس میں اس کے نزول کیلیے ہندوستان سے باہر کسی ملک کا اشارہ نہیں کیا گیا۔ اُن تمام پیشگوئیوں میں مشرق کا ذکر موجود ہونا اور ہندی پیشگوئی میں کسی غیر ملک یا سمت کا ذکر نہ پایا جانا اس بات کو صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ اس بلند مرتبت مصلح آخر زمان کے نزول کیلیے یہی ملک ہندوستان ازل سے مقدر تھا۔ اس مختصر بحث کا فایدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کی مختلف پیشگوئیوں میں جو بطور اجمال مصلح آخر زمان کا ذکر موجود ہے اس سے اس کے نزول کے زمانہ اور مقام کا سمجھنا بہت مشکل نہیں رہتا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ کوئی صاحب ان مسیح موعود کے نزول کی متعلقہ پیشگوئیوں سے کوئی اور نتیجہ ایسا نکال سکتا ہے جو ہمارے نتیجہ پیش کردہ سے مختلف ہو۔ لیکن یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ اگر ان متفرق پیشگوئیوں کے عام مفہوم اور متفقہ نتیجہ کو لیا جاوے تو وہی نتیجہ نکلیگا جو ہم نے پیش کیا ہے۔ تمام انبیاء کی تاریخ اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ پیشگوئیوں کے معنے کرنے میں انکے عام مفہوم کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور پیشگوئیوں کی تفصیلات پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اگر ہم تمام مذاہب کی متفرق پیشگوئیوں میں سے قدر مشترک نتیجہ نکالنا چاہیں تو سوائے اس نتیجہ کے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مصلح کے آنیکی پیشگوئی متفقہ مفہوم کے ساتھ بہت ساری اقوام میں مروج ہے۔ اس پیشگوئی کا اس طریق سے اکثر مذاہب میں موجود ہونا اور اسلام میں اس کے متعلق نشانات کا معیّن ہونا دو ایسے اہم اور ضروری امور ہیں جن سے کوئی اور نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اس نتیجہ کے سوا کوئی اور نتیجہ اس پیشگوئی کا تراشنا پر از خطر راہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی بنا نہ صرف پیشگوئی کی سرسری شہادت پر ہی ہوگی بلکہ ایسے خیالات پر ہوگی جو تمام ایسے حقایق اور واقعات سے جدا ہونگے جو علی الاطلاق ان پیشگوئیوں کے معنوں پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ یہ بات اس مثال سے اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ کہ اس زمانہ میں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام ابھی دنیا پر تشریف نہ لائے تھے تو بنی اسرائیل مسیح کی انتظار میں تھے۔ پھر جب مسیح آئے اور انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کی منادی کی تو وہی منتظر بنی اسرائیل اُسے کذاب اور مفتری علی اللہ سمجھنے لگ گئے۔ اس تکذیب کی وجہ یہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل مصلح کی ضرورت سے بیخبر تھے۔ اور نہ اس بات سے ناواقف تھے کہ قدیمی پیشگوئی کے عام مفہوم کی رو سے وہ زمانہ ہی نزول مسیح کا زمانہ تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پیشگوئی کی بعض خاص باتوں پر بہت زور دیتے تھے۔ مثلاً بہت ساری پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی جو مسیح کے نزول کی خبر دیتی تھی اُس میں یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ گذشتہ نبیوں میں سے حضرت الیاسؑ (ایلیا) آسمان سے دنیا پر پھر تشریف لا دیں گے۔ اور مسیح اُس وقت نازل ہونگے جب الیاسؑ آچکیں گے چونکہ ابھی تک یہ شرط اُن کے نزدیک پوری نہ ہوئی تھی یعنی الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے تھے اسلیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو

جھوٹا مدعی نبوت سمجھتے تھے۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہ بھی اُن بہت سارے جھوٹے مسیحوں میں سے ایک مسیح ہے جن کی نسبت لکھا تھا کہ بہتیرے جھوٹے مسیح آئیں گے۔ اسی طرح مسیح کے متعلق اور پیشگوئیوں میں بھی اسی قسم کے کئی اور پہلو تھے جو لفظی طور پر یسوع کے متعلق پورے نہ ہوئے تھے۔ اور اس لیے یہودی لوگ اُن کی مخالفت پر تُلے ہوئے تھے یہودیوں نے اس غلط فہمی سے بہت خطرناک ٹھوکر کھائی۔ اور بڑی تباہی اُٹھائی۔ بلکہ کثیر حصہ اُس نکبت اور ذلّت اور بدنصیبی کا جو انکو قومی طور پر ملا ہوا ہے وہ سب اسی ایک غلطی کی بدولت ہی کہ وہ ہر شق سے پیشگوئی کے لفظاً پورا ہونے پر اعتقاد بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے کسی مدعی نبوت کے دعوے کے صدق و کذب کی شناخت اور فیصلے کیلیے سب سے محفوظ طریق یہ ہے کہ یہ امر دیکھ لیا جائے کہ بہ ہیئت مجموعی کیفیت عامہ کے ساتھ وہ پیشگوئی اس کے حالات کے ساتھ موافق ہے یا نہیں۔ یہاں تک تو اصول عامہ مشترکہ و مسلمہ سے ہمارے بیان کی ترجیح ثابت ہے۔ اب دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعوئے مسیحیت و مہدویت کے باری میں اندرونی شہادت دیکھی جاوے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس امر کی تفصیل کی طرف رجوع کیا جائے یہ ضروری ہے کہ عوام الناس میں جو یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ یہ پیشگوئیاں لفظی طور پر پوری ہونی چاہئیں اور اس کی وجہ سے وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں انکو دُور کیا جائے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریم ناصری اسرائیلی ہی دنیا پر آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے جہاں وہ اتنے عرصہ سے چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ یہ خیال ایسا ہے کہ نہ اس کی بنیاد ہی صحیح ہے اور نہ اس کی بالائی عمارت ہی راست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہرگز نہیں چڑھے! وہ انسان تھے اور برگزیدہ انسانوں کی طرح عزت کے ساتھ اسی زمین پر راہئ ملک بقا ہوئے۔ اور اسی زمین کو اپنے مدفن بننے کی عزت بخشی۔ چنانچہ اُنکی مزار منور محلہ خانیار واقع شہر سری نگر ملک کشمیر میں اس وقت تک محفوظ اور موجود ہے۔ مسیح علیہ السلام کے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اُٹھایا جانیکا اعتقاد جیسا کہ بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے اسی طرح اُسکا آسمان سے اُترنا بھی وہی قصہ ہے۔ جس کی تہ میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ جہاں کہیں مسیح کا نام آجائے اور اس کے متعلق کسی واقعہ یا پیشگوئی کی تشریح کی ضرورت ہو تو وہ اُسوقت تک صبر نہیں کرتے جبتک کہ اُسپر کوئی ایسا رنگ نہ چڑھا لیں جو اُنکی اپنی نظر میں دائرہ انسانی سے فائق ہو۔ اُسی طرح مسیح آخر زمان کے متعلق یہ عقیدہ گھڑا ہوا ہے کہ پہلا مسیح ہی آسمان پر زندہ چڑھ گیا تھا اور اس زمانہ میں وہی آسمان سے اُتریگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام ہی نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کیا کہ نزول ثانی سے کیا مراد ہوتی ہے۔ یہودی جو الیاسؑ کے نزول ثانی کے لیے آسمان کی طرف تاک لگائے بیٹھے تھے اُنکو مسیح نے کھول کھولکر بیان کر سنایا کہ اس نزول سے مراد یہ نہیں کہ فی الحقیقت وہی الیاسؑ دوبارہ نازل ہونگے بلکہ مراد اس سے یہ تھی کہ کوئی شخص حضرت الیاسؑ کی قوت قدسی اور روحانیت سے بہرہ اندوز ہو کر آئیگا۔

اور یہ پیشگوئی حضرت یحییٰؑ (یوحنا بپتسمہ دینے والے) کے وجود میں پوری ہوگئی ہے۔ جو حضرت الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی لیکر تشریف لائے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے نزول الیاس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن وہ ہمیشہ اس کی یہی تشریح کرتے تھے کہ اس سے مراد نزول حضرت یحییٰ تھی۔ غرض حضرت مسیحؑ مقدس تواریخ میں پہلے بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ بروز کی حقیقت اور الہامی اصطلاح میں نزول ثانی کے فلسفہ کو منکشف فرمایا۔ اور یہ ضروری تھا کہ ان کے منہ سے ہی یہ مسئلہ بھی صاف ہوجاوے کیونکہ لوگوں نے اسی قسم کی غلط فہمی ان کی ذات خاص کے متعلق بھی کرنی تھی۔ پھر جبکہ وہ آپ ہی ان اصطلاحات کا فیصلہ کر چکے تھے اور ان سے مراد جو اصلی ہے اسکی تشریح بیان فرما چکے تھے تو جب انہوں نے یہ کہا کہ "مسیح دوبارہ آئیگا" تو اس کا مطلب ان کی بیان کردہ تشریح سے جدا کیونکر سمجھا جانا ممکن ہے۔ جب انہوں نے ایک طرف الیاسؑ کے نزول ثانی کی یہ تشریح کی اور دوسری طرف اپنے نزول ثانی کی خبر دی تو اگر انکی منشاء میں اپنے نزول کے یہ معنے ہوتے کہ وہ خود آسمان سے نازل ہونگے تو ضرور تھا کہ وہ اپنے حواریوں کو کھلے الفاظ میں فرما دیتے کہ اگرچہ الیاسؑ کے دوبارہ نزول کی خاص تشریح پر میں نے اتنا زور دے رکھا ہے لیکن میرا نزول ثانی ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں آپ ہی آؤنگا۔ جب تک کہ یہ ثابت نہو کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے نزول ثانی کے متعلق واضح الفاظ میں کہیں فرما دیا تھا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ میں آپ ہی دوبارہ آسمان سے نازل ہونگا۔ اور میرا آنا الیاسؑ کے آنیکی طرح نہیں ہوگا اس وقت تک ہم پابند ہیں کہ نزول ثانی کے وہی معنے لیں جو اس نے الیاسؑ کے معاملہ میں آپ بیان کیے ہوئے ہیں۔ جب یسوع مسیح نے اپنے حواریوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ سچا نبی ہے۔ اور اپنے صدق کی دلیل یہ ٹھہرائی کہ ایک شخص کے نزول ثانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی روحانیت اور قوت قدسی پاکر مبعوث کیا جائیگا۔ تو یہ لازمی امر ہے کہ اپنے نزول ثانی کی پیشگوئی کی بھی وہی مراد انہوں نے رکھی ہو۔

بعض عیسائی اخباروں نے اس دقت کو حل کرنیکے لیے ایسی تشریحات پیش کی ہیں جنہیں دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ الیاسؑ ایک بشر تھا اسلیے اسکا دوبارہ آنا محال اور ناممکن تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نزول ثانی کی پیشگوئی سے مراد کسی اور شخص کا نزول ہو جو اسکی روحانیت اور قدسی قوت لیکر آئے۔ لیکن خداوند یسوع مسیح تو خدا تھے۔ انکا دوبارہ دنیا پر آنا عین احاطہ امکان کے اندر ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ...... کہ کوئی بشر اس کی روحانیت اور قدسی قوت سے حصہ پا سکے اور پھر اس کی بجائے نازل ہو سکے۔ عیسائیوں نے جو جدت طبع اس موقع پر دکھلائی ہے وہ کسی پہلو سے قابل تحسین و تعریف نہیں ہو سکتی بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ یہاں مسیح کی الوہیت اور عدم الوہیت کا تو مسئلہ ہی نہ تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ خود مسیح نے اپنے نزول ثانی کی کیا تشریح کی۔ جب مسیح کی اپنی تشریح موجود ہو تو کسی عیسائی کو اسکے مقابلہ میں کوئی اور تشریح پیش

کرنیکا کیا حق ہے۔ اگر اپنے نزول ثانی سے مسیح کے دل میں کوئی اور مطلب ہوتا تو اسکا فرض تھا کہ وہ کم ازکم اپنے شاگردوں ہی کو جمع کرکے انہیں سمجھاتا کہ "اے میرے دوستو! تمھیں اس امر کیطرف توجہ کرنی چاہیئے کہ مَیں نے تمھارے سامنے کئی مرتبہ الیاسؑ کے نزول ثانی کی تشریح بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد کسی دوسرے شخص کا نزول ہے جو الیاس کی روحانیت اور قوّت قدسی پر آئے گا۔ یہ تشریح میرے دعوئے مسیحیت کی حقیقت ثابت کرنیکے لیے ازبس ضروری تھی۔ کیونکہ اگر یہ تشریح نہ کیجاتی تو میرے دعوے کا سارا تانا بانا ہی غلط اور اکارت ہوجاتا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے نزول ثانی سے مراد بھی یہی ہے کہ کوئی دوسرا شخص میری بجائے نازل ہوگا۔ اے میرے عزیزو! الیاس صرف ایک انسان تھا اور اس لیے اسکا دوبارہ نازل ہونا ناممکن محض تھا۔ لیکن مَیں خدا ہوں اور میرا دوبارہ اس وجود میں آنا ممکن ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اُس وقت الیاس کے نزول ثانی کی پیشگوئی کیوں کی گئی تھی تو اسکا جواب یہی ہے کہ میرا قیاس ہے کہ اُس نبی نے بھی پیشگوئی کرنیکے وقت گمان کرلیا ہوگا کہ الیاس بھی خدا ہے اور اُسکا دوبارہ آنا ممکن ہے"۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب مسیحؑ نے الیاسؑ کے نزول ثانی کی پیشگوئی کی تشریح کی تو اُس نے کبھی نہیں کہا کہ الیاس آیا ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے "اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو" (متی $\frac{11}{14}$) "اور اُس کے شاگردوں نے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے؟ یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ پر مَیں تمھیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُنسے دُکھ اُٹھاویگا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اُس نے اُن سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا" (متی $\frac{17}{10-13}$) اس حوالہ سے ثابت ہے کہ یسوع مسیح کو الیاس کے آنیکی ضرورت کی بڑی قدر تھی مگر اُس نے یہ نہیں کہا کہ الیاس چونکہ محض بشر تھا اس لیے وہ دوبارہ نازل نہیں ہوا۔ یا اس لیے کہ اس کے منصب کا کام کوئی دوسرا آدمی کرسکتا تھا۔ اس نے تو اسی بات پر بار بار زور دیا کہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا (یحییٰؑ) .... حضرت الیاس کی روحانیت اور قوّت قدسی لے کر آیا اور وہی الیاس تھا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر وہی الیاس تھا۔ اوپر جو بائبل کی دوسری آیت درج کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا اپنا نزول ثانی بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے کہا ہے کہ "الیاسؑ تو آچکا۔ لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُن سے دُکھ اُٹھاویگا۔" جسکا مطلب یہ ہے کہ الیاس کو دوسرے نزول کے وقت دُکھ دیا گیا تھا۔ کیونکہ اُسوقت لوگوں نے نہ جانا کہ وہ الیاس تھا۔ اس لیے انہوں نے اُس کو دُکھ دیئے اور ستایا۔ اسی طرح مسیح کو بھی دوسرے نزول کے وقت دُکھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ مسیح ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں نے بھی یہ اعتقاد باطل پکا رکھا ہے کہ مسیح ناصری اسرائیلی ہی دوبارہ نازل ہوں گے۔ عیسائی تو انسان پرستی میں گرفتار تھے ہی۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ اُس خدا پرست مسلمان قوم کے افراد بھی اس بداعتقادی میں مبتلا ہو گئے۔ جن کی مقدس کتاب قرآن شریف باواز بلند پکار پکار کر مسیح علیہ السلام کی وفات بیان کر رہی ہے۔ اور اُس کے آسمان پر چڑھنے کو غلط قرار دے رہی ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ کے اخیر میں لکھا ہے۔ و اذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی و ربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیء شھید ۔ ترجمہ۔ جب خدا پوچھیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا لوگوں کو تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنالو۔ تو عیسیٰ جواب دیں گے اے خدا جو تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ مَیں انہیں ایسی باتیں تعلیم کرتا جو مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر مَینے کچھ کہا ہوتا تو اُس کو تُو جانتا ہے۔ کیونکہ جو بات میرے جی میں ہے اُسکو تُو جانتا ہے اور جو تیرے جی میں ہے مَیں اُسکو نہیں جانتا۔ تو تو ہر غیب کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔ مَینے انہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو تُو نے مجھے نہ فرمائی ہو۔ اور جو کہا وہ یہی تھا کہ اللہ جو میرا اور تمھارا رب ہے اُس کی ہی بندگی کرو۔ اور جب تک میں ان میں تھا تو مَیں انپر شاہد تھا۔ مگر جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر انپر تُو ہی نگہبان تھا۔ اور تو ہی ہر شے پر شاہد ہے۔

مسیح علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اُس کو لوگوں نے اُس کی زندگی میں خدا نہیں بنایا۔ بلکہ اُس کے مرجانیکے بعد اُسے خدا بنایا گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود دوبارہ واپس دنیا پر نہیں آسکتے۔ کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے تو اُن کا یہ کہنا کہ مَیں نہیں جانتا کہ میرے مرنیکے بعد لوگ کن غلط راہوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔ غلط اور بیجا قرار پاتا ہے۔ ایسی صورتمیں ضرور تھا کہ وہ اس جگہ بھی اپنی معمولی راستبازی سے ایسا بیان دیتے کہ جس سے اُن کا علم پایا جاتا۔ مسیح کی الوہیت کے اعتقاد کی ابتدا مسیح کی موت کی دلیل ہے۔ یعنی جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کو لوگوں نے اللہ سمجھ لیا ہے تو اُسوقت اس آیت شریفہ کے منشاء کے موافق یہ سمجھنا لازمی ہوگا کہ حضرت مسیح فوت بھی ہوگئے ہیں اس کے ماسوا اور بھی ثبوت اس قسم کے موجود ہیں جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم۔ اسرائیلی نبی کا

دوبارہ دنیا پر تشریف لانا ناممکن ہے۔ ہر ایک مرسل و مامور الٰہی جو دنیا میں تشریف لاتا ہے تو اسکی بعثت کے دو بڑے اغراض ہوتے ہیں ایک دفع شر اور دوسری جلب خیر۔ وہ دنیا سے ہر قسم کے باطل۔ باطل خیالات۔ باطل رسوم۔ باطل عقاید۔ باطل اصول وغیرہ کو منہدم کر کے ان کی بجائے راستبازی نیک عملی اور اصول و عقاید و رسوم صحیحہ قایم کرتا ہے۔ کوئی نبی اللہ صرف دفع شر ہی کیلیے مامور و مبعوث نہیں کیا گیا۔ بلکہ دفع شر ایک ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جس کے بعد اعلیٰ اصول نہایت برجستگی اور مضبوطی کے ساتھ قایم کیے جاتے ہیں۔ اور اگر دفع شر سے یہ مقصود حاصل کرنا مدنظر نہ ہو تو پھر یہ بالکل بے حیثیت اور بیقدر بات ہے۔ اسی طرح مسیح موعود کا حال بھی ہے وہ اس قانون الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب ہم پیشگوئیوں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی بعثت کی پہلی غرض یہ ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ دجّال کو پاش پاش کریگا۔ اس پیشگوئی میں مسیح کو عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس دوسری اہم شق یعنی جلب خیر کا بیان نہیں ہوا جو مسیح موعودؑ کی دوسری بعثت کی غرض رکھی گئی ہے اسکا ذکر دوسری پیشگوئی میں ہے جس میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریّا پر بھی معلق ہو گیا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اُسے پھیر لادیگا۔ اس پیشگوئی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں دنیا سے ایمان مفقود ہو جاویگا اور مسیح موعود اس گم شدہ ایمان کو بحال کرنیکے لیے مبعوث ہوگا۔ اسی کے مطابق مسیح نے بھی کہا ہے۔ "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ دنیا پر ایمان پاویگا؟" ان الفاظ سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے جو مندرجہ بالا حدیث سے سمجھ میں آتا ہے اور مسیحؑ کے مبعوث ہونیکی وہی غرض معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دنیا پر ایمان از سر نو بحال کر کے دنیا کی اصلاح کریگا۔ اسطرح مسیح موعودؑ کی زندگی کا اصلاحی حصہ دنیا پر ایمان بحال کر کے دنیا کی اصلاح کرنا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس مصلح کو فارسی الاصل کہا گیا ہے۔ دو مختلف خطابوں کے وجود سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان دو پیشگوئیوں سے مراد دو مختلف شخص ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں پیشگوئیاں ایک دوسری کا تکملہ ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلی پیشگوئی مسیح موعودؑ کے منصب کے سارے فرائض کی تفصیل نہیں کرتی بلکہ ہر ایک صرف ایک حصہ کو بیان کرتی ہے جو ایک دوسرے کے متوافق ہے اور در اصل دونوں کے ملنے سے ایک پیشگوئی بنتی ہے۔ اسی مصلح کو پہلے مسیح کہکر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا اور پھر فارسی الاصل کہکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ دنیا پر ایمانی قوت کو پھر بحال کریگا۔ اب ایمان اسوقت تک بحال نہیں ہو سکتا جس وقت تک زمانہ موجودہ کے غالب فتنہ کو جو صلیبی اور دجّالی فتنہ ہے پہلے فرو نہ کر لیا جائے۔ اور ایسے فتنہ اور باطل مسائل کا تباہ کرنا اُس وقت تک

بالکل بے سود ہوتا ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ پر علیٰ وجہ البصارت اور سچا ایمان بحال نہ کیا جاوے۔ غرض ان دو پیشگوئیوں میں ایک ہی مصلح کے منصب کے دو حصوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اُس پیشگوئی میں جو مسیحؑ کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے لکھا ہے کہ مسیح آپ آنکر دنیا میں ایمان بحال کریگا۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ "رجل من ابناء فارس" اور مسیح دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

فارسی الاصل (رجل من ابناء فارس) کے متعلق جو پیشگوئی وارد ہوئی ہے اسکی جڑھ قرآن شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ میں آیا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ ترجمہ۔ خدا تو وہ ہے کہ جس نے اُمّی لوگوں میں سے یہ رسول مبعوث کیا۔ کہ اُنہیں اس کی آیات سنائے اور اُنہیں پاک بنائے اور کتاب وحکمت کی انکو تعلیم دے۔ گو وہ پہلے عیاں طور پر غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور نیز آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئی وہ قوم بھی انہیں لوگوں کے ہمرنگ ہوگی اور ان میں بھی اسی طرح نبی مبعوث ہوگا جو انہیں خدا کی آیات سنائے گا۔ اور اُنہیں پاک بنائے گا۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیگا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ اٰخرین منھم سے کونسی قوم مراد ہے۔ اسپر آنحضور پُرنور صلعم نے سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس۔ یعنی اگر ایمان اُٹھایا جاکر ثریا میں معلق ہوگا تو ان فارسی لوگوں میں سے ایک شخص ایسا اُٹھیگا کہ وہ وہاں سے بھی ایمان واپس لے آویگا۔ آیت کریمہ میں جن لوگوں کے درمیان اس فارسی الاصل نبی کی بعثت لکھی ہے اُنہیں اٰخرین کہا گیا ہے۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو بجنسہٖ یا جس کے مترادف الفاظ اُن تمام پیشگوئیوں میں لکھے ہوئے ہیں جو مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں۔ ان تمام باتوں سے اور نیز اس آیت کی اُس تفسیر سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے ۔ صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ شخص فارسی الاصل جو اسلامی پیشگوئیوں میں لکھا ہے وہ مسیح موعودؑ یا خاتم الخلفاء کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کہ "ایمان ثریا پر معلق ہوگا" سے صریح اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اُنسے بہت عرصہ بعد ہوگا۔ اسلیے "شخص فارسی الاصل" سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ یا امام بخاری رحمہما اللہ نہیں ہو سکتے۔ اسکی ایک تو یہ وجہ ہے کہ اس شخص کیلیے

لازمی ہے کہ وہ خدا کا مامور ہو۔ لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے کسی سے مامور من اللہ ہونیکا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور اس کے علاوہ انکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایسا قریب تھا کہ جس میں یہ ممکن نہیں خیال کیا جا سکتا کہ ایمان دنیا کے اُٹھ گیا ہو۔ اور خصوصاً ایسی حالتمیں جبکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوا ہے کہ میرے بعد تین سو برس تک قوت ایمانی اور نکوکاری اور تقویٰ کا غلبہ رہیگا اور اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ شروع ہو جائیگا۔ جو ایک ہزار سال کی اندھیری رات ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات خیر القرون کے اندر ہی گذرے ہیں۔ خدا انکی مساعی جمیلہ کو اور بھی برومند کرے اور ان پر بڑی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ جیسا کہ تین سو برس بعد آنحضرت سرور کائنات تک کوئی بزرگ اس "فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ہزار سال اس کے بعد تک بھی ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی ہے کہ جو فیج اعوج کا زمانہ ہوگا اور ایمان میں ایسے رخنے دن بدن پڑتے جائیں گے کہ آخر وہ دنیا سے قریباً اُٹھ ہی جائیگا۔ اس لیے اس ایمانی زوال کے زمانہ میں کوئی شخص اس پیشگوئی متعلقہ "شخص فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بات دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق کون صحیح طور پر قرار پا سکتا ہے۔ جبکہ گذشتہ بحث میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمانہ بعثت مصلح آخر زمان یہی زمانہ ہے۔ اور مسیح و مہدی "اور شخص فارسی الاصل" وغیرہ سب اسی مصلح کے نام ہیں۔ اور ٹھیک وقت پر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا تعالےٰ کیطرف سے مامور ہو کر دعویٰ بھی کر دیا ہے۔ تو اب اسبات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا ان تمام امور پر غور کر نیسے اس پیشگوئی کا صحیح مصداق یہ مدعی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جب واقعات صحیحہ پر کامل غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسوی پیشگوئی "مسیح کے نزول ثانی" کی بابت اور اسلامی پیشگوئی جو "شخص فارسی الاصل" کی بعثت کے متعلق لکھی ہے وہ دونوں اسی مدعی کے وجود میں پوری ہوتی ہیں۔ اس بات کو ذرا زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ہم پہلے اُس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ابھی انہوں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں انہوں نے ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ رکھا۔ یہ کتاب دعوے سے قریباً دس برس پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مسیح کے نزول ثانی کے عقیدہ میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ عام عقیدہ کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ خود ہی آئیں گے۔ لیکن اسی کتاب میں انہوں نے اپنے رؤیا اور مکاشفات درج کیے ہیں جن سے انکی روحانی مماثلت حضرت مسیح کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور ایسے الہامات بھی لکھے ہیں جن میں انکو "مسیح" اور "شخص فارسی الاصل" کے خطابوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں بعض لوگوں کے لیے یہ شہادت کچھ متعارض جیسی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس موعود کے صاف گوئی اور صدق دعوے پر ایک قطعی اور فیصلہ کن شہادت ہے۔ یہ کیسی بے بناوٹی اور صفائی طبع پر دلیل ہے کہ ایک شخص جو خود مسیح موعود بننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جب ابھی اپنے اس منصب پر مامور نہیں ہوا۔ نہیں جانتا کہ گل کو مجھے کیا عزت بخشی جاویگی۔ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے وہی اعتقاد بیان

کرتا ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہے۔ خود بے تکلفی اور سچائی سے ایک طرف یہ عقیدہ بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ الہامات درج کرتا ہے جو اُسے خدا کی طرف سے ہوئے اور جن کا مصداق ابھی تک نہیں سمجھا یا گیا۔ ایک طرف اس اعتقاد کا اظہار اور دوسری طرف یہ الہامات جو اعتقاد کے مخالف تھے ایک ہی کتاب میں لکھے موجود ہونا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ یہ الہامات ملہم کے دل کے بناتے ہوئے نہیں۔ بلکہ کسی ایسے زبردست کی طرف سے القا ہوئے ہیں جو کلام میں اپنے غالب ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ انکے دل میں خود مسیح موعود بننے کی اُمنگ ہوتی اور یہ الہامات اسی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے خود تراشیدہ ہوتے۔ اور اس دعوے کی پٹڑی جمانیکے لیے پہلے منصوبہ بازی کا پیش خیمہ ہوتے تو اتنی احتیاط تو ضرور ہی کیجاتی اور کم از کم اتنا تو نہ لکھا جاتا کہ وہ مسیح ناصری ہی وقت موعودہ پر خود دوبارہ نازل ہوگا۔ یہ ایک ایسی زبردست بات ہے کہ جس سے الہام اور ملہم کی صداقت کا بڑا پختہ اور مضبوط ثبوت ہم پہنچتا ہے۔

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ان الہامات میں صاحب الہام کو مسیح ابن مریم کا روحانی طور پر مثیل کہا گیا ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں آئیگا۔ اور چونکہ یہ شہادت اس وقت بیان کی گئی تھی جس وقت انہیں خود مسیح موعود بننے کا ذرہ خیال بھی نہ تھا اس سبب سے اس کے امر واقع اور قطعی ہونیکا بڑا زبردست ثبوت ہے۔ براہین احمدیہ (جسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی گذر چکی ہے) سے مندرجہ بعض الہامات اور رؤیا کو ہم ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

ایک رؤیا یہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر مسیح نے میرے ساتھ بیٹھکر ایک ہی برتن میں اور ایک ہی دسترخوان پر گائے کا گوشت کھایا۔ یہ کشفی حالت کا واقعہ تھا اور ایسا صاف کشف تھا جو بیداری کے ہمرنگ تھا اور بڑی غربت اور محبت سے اُس نے مجھے کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں"۔ اسی طرح ایک اور رؤیا بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی حالت میں یہ اور وہ ایک ہی تھے۔ ایک الہام میں انہیں مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ "یا عیسیٰ انی متوفیک" یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دیکر دنیا سے اُٹھاؤنگا۔ جس میں یہ بات مرکوز ہے کہ تجھے لوگوں کے ہاتھوں سے قتل نہ ہونے دونگا۔ ایک اور الہام میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لناله رجل من ابناء فارس یعنی اگر ایمان ثریا میں معلق ہو گیا ہوگا تو ابنائے فارس سے ایک مرد اُسے پھیر لاویگا اس میں ملہم کو رجل من ابناء فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اور پیشگوئی کے بیان میں اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ نبی آخرزمان کا ایک نام رجل من ابناء فارس بھی ہے۔ ایک اور الہام میں ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس یعنی خدا کی توحید خدا کی توحید کو اے ابنائے فارس بہت محکم طور پر اختیار کرو۔ پھر ایک اور الہام یوں ہے۔ الذین یکفرون ویصدون عن سبیل اللہ رد علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیه یعنی جو لوگ ایمان نہیں لائے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔ اُنکو ایک فارسی الاصل نے رد کر دیا۔ ان ساری پیشگوئیوں میں اس ملہم کو رجل من ابناء فارس اور فارسی الاصل کہا گیا ہے

اس کے متعلق ہم اس موقعہ پر اسی بات کے بیان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب کے آبا و اجداد فارس ہی سے آکر اس ملک میں آباد ہوئے تھے۔ جسپر تاریخ شاہد ہے۔

ان ابتدائی اور خارجی امور کے فیصلہ سے ہم اب اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ اس نبی آخر زمان کے دعوے کی تصدیق کو سمجھنے کیلیے اندرونی شہادت پر غور کریں تا کہ ہر ایک منصف مزاج بلالحاظ مذہب و ملت اس امر کو مان سکے واضح رہے کہ ایسی شہادت جو ہر حق جو کو اطمینان دلا سکے وہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس غرض کیلیے ہم ایک معجزہ ہی پیش کرنیکے لیے منتخب کریں گے۔ جسپر ایسا اعتراض نہیں عاید ہو سکتا جو عام طور پر مسلمہ معجزات پر وارد ہو سکتا ہے۔ ڈیوڈ ہیوم نے معجزات پر ایک مضمون لکھا ہے اس مضمون میں وہ کہتا ہے "ساری تواریخ کے صفحات میں کسی معجزے کے مصدّق کافی تعداد میں ایسے انسان نہیں پائے جاتے جنکی عقل۔ تحصیل علمی۔ اور لیاقت اعتراضوں کے داغوں سے ایسی صاف ہو کہ جس سے ہمیں اُنکی ذات کی نسبت کسی طرح کی غل و غش کا احتمال نہ ہو۔ اور ایسا بے ریب خلوص اور صدق نیت رکھتے ہوں جس سے یقین ہو سکتا ہو کہ وہ دوسرے لوگوں کو گمراہی اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے حیلہ بازیوں کے ہر قسم کے اشتباہ سے بالاتر ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں میں ایسی صاحب قبولیت اور عزت ہوں کہ اگر اُنکا کوئی ایک جھوٹ بھی معلوم ہو جائے تو اس سے انکی اس وقعت میں بہت فرق آنیکا اندیشہ ہو۔ اور ساتھ ہی اس کے ان واقعات کی شہادت دیتے ہوں جو ایسے پبلک طور پر اور ایسے مشہور حصہ دنیا میں واقع ہوئے ہوں کہ جہاں انکے نقصوں کا معلوم ہونا ناممکن نہ ہو۔ یہی سب وہ ضروری حالات ہیں کہ جن سے کسی انسان کی شہادت پر ہمیں پورے طور پر اطمینان ہو سکتا ہے" یہ فقرات ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جو معجزات کا بڑا منکر ہے۔ اور انہیں اُسنے وہ تمام وجوہ جمع کر دیے جن سے کسی معجزہ پر اعتراض اور انکار عاید ہو سکتا ہے۔ معجزات کی حقیقت کا انکار کرنیکے لیے یا ان کے غلط ثابت کرنیکے لیے ان سے بڑھکر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر جتنے مسیحی معجزات عیسائی دنیا میں مانے جاتے ہیں انمیں یہ تمام نقص بھی موجود ہیں اور پھر بھی وہ برابر اعجازی عزت دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اسجگہ ایک ایسا معجزہ بیان کرتے ہیں جس کے برخلاف کوئی بھی ایسا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے ان دعاوی کی حقیقت بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے۔

جس معجزہ کے بیان کرنیکا ہم نے ذکر کیا ہے اسکا ثبوت ہر قسم کے اعتراض سے بری ہے۔ کیونکہ جس شہادت پر اس کی بنیاد ہے وہ ایسے آدمیوں کی گواہی نہیں .... جن کی نسبت کسی حیلہ یا دوسروں کو گمراہ کرنے یا دھوکہ دینے کا منصوبہ بنانیکا گمان ہو سکے۔ یہ ایک مشہور و معروف کتاب میں لکھی ہوئی گواہی ہے جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ ہزارہا لوگوں میں شایع ہوئی۔ اور اب تک اسکی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کتاب کا نام براہین احمدیہ ہے اور حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب کی تصنیف ہے۔ اور چار دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں جو سنہ ۱۸۸۰ء

سے ۱۸۸۴ء تک کے عرصہ میں چھپیں۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں چھپی تھی اور اس کے صفحہ ۲۳۶ پر مصنف صاحب نے الہام الٰہی کی حقیقت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کامل الہام وہ ہوتا ہے جس میں امور غیبی پر بطور پیشگوئی انسان خدا کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قسم کی الہامات سے مجھے شرف بخشا ہے۔ چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ "اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ ابھی جو ابھی اس حاشیہ کی تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے۔ جس میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئیگی اور حق کے طالبوں کو ہدایت ملیگی۔ اور بدعقیدگی دُور ہوگی۔ اور لوگ خدا تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کرینگے۔ اور متوجہ ہونگے اور آئیں گے وغیرہا من الامور" اور اُن الہامی کلمات میں سے بعض اسجگہ لکھے جاتے ہیں۔ الرحمٰن علم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر اباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت وانا اول المؤمنین ...... ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھره علی الدین کله ...... یریدون ان یطفؤا نور الله والله متم نوره ولو کره الکٰفرون۔ سنلقی فی قلوبھم الرعب اذا جاء نصر الله والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ ..... ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین۔ ..... الا ان روح الله قریب۔ الا ان نصر الله قریب۔ یاتیك من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرك الله من عنده۔ ینصرك رجال نوحی الیھم من السمآء۔ ..... لا اله الا الله فاکتب ولیطبع ولیرسل فی الارض۔ ..... واتل علیھم ما اوحی الیك من ربك۔ ولا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفة وما ادرٰك ما اصحاب الصفة۔ ترٰی اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیك۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیاً الی الله وسراجاً منیرا۔ املوا۔ ترجمہ۔ رحمٰن خدا نے خود تجھے قرآن اس لیے سکھلایا ہے۔ کہ تو ان لوگوں کو ڈر سنائے جنکے باپ دادوں کو ڈر نہیں سنایا گیا۔ اور کہ تو مجرموں کی راہ کھولکر بیان کردے۔ کہدو! مجھے خدا نے اس منصب پر مامور فرمایا ہے۔ اور مَیں خدا کے حکم کو ماننے میں سب سے اول ہوں ..... خدا ہی وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث کیا۔ کہ تا اسکا دوسرے تمام دینوں پر حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے غلبہ قایم کرے ..... منکر لوگ آرزو کریں گے کہ اُس نور کو جو خدا نے روشن کیا ہے اپنے منہ سے بجھادیں۔ لیکن خدا ضرور ضرور اپنے نور کو کامل کریگا۔ ہم انکے دلوں میں بہت جلد رُعب القا کریں گے۔ جب خدا کی نصرت اور فتح آئیگی اور تمام معاملہ ہماری طرف پُہنچیگا تو پھر کہا جائیگا کہ کیا یہ سچ نہیں؟ ..... تیری مخالفت کیلیے وہ باریک تدبیریں کرینگے اور خدا انکی ہلاکت

کے بیے حکمت اور تدبیر کو کام فرمائیگا اور یہ یقینی بات ہے کہ ہر مدبر سے خدا بڑھ کر تدبیر کرنیوالا ہے۔ دیکھو! خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے۔ دیکھو! خدا کی نصرت یقیناً بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے تیری طرف نصرت آئیگی۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے لوگ تیری طرف اُمڈے چلے آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری نصرت کریگا وہ لوگ جنہیں آسمان سے خدا وحی کریگا تیری مدد کیلیے آئیں گے۔۔۔۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسلیے ان باتوں کو لکھ لو اور چھپوا کر تمام ملکوں میں شایع کر دو۔۔۔۔ اور جو کچھ تیرے خدا نے تجھ پر وحی کی ہے وہ لوگوں کو سنا دو۔ اور خلق اللہ سے چیں بجبیں نہ ہونا نہ ہی ان سے جب وہ جوق جوق تیرے پاس آویں تھکنا۔ تجھے اصحاب صُفہ بھی دیے جائیں گے اور تجھے کیا ادراک ہے۔ کہ اصحاب صُفہ کیا ہونگے۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی آنکھوں سے تُو آنسو بہتے دیکھے گا۔ اور وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک بلانیوالے کی آواز سُن لی ہے۔ جو ہمیں ایمان کی طرف دعوت کرتا ہے۔ اور ایک داعی الی اللہ کی دعوت سُن لی ہے جو چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ یہ سب باتیں لکھ لو۔"

مصنفِ براہین احمدیہ کے کثیر التعداد الہامات میں سے تھوڑے سے الہام ہمنے اسجگہ بطور نمونہ لکھے ہیں۔ جو انہیں خدا کی طرف سے ١٨٨٢ء میں وحی ہوئے تھے اور اُس سال اُسی کتاب میں شایع بھی کر دیے گئے تھے۔ ان الہامات کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ انکے پڑھنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کہ ملہم کی آیندہ زندگی کا دوران کیسا ہوگا۔ ایسا ہی کتاب مذکور کی چوتھی جلد میں کئی پیشگوئیاں اسی قسم کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہ جلد اُس سے دو سال بعد یعنی ١٨٨٤ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے بھی چند پیشگوئیاں یہاں نقل کر دیں۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ٤٨٥ پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ "چنانچہ کسیقدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تا اگر خدا چاہے۔ تو طالبِ صادق کو ان سے فایدہ ہو اور نا مخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظرِ عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہِ راست پر ہوتے ہیں۔ انسے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بہ مہربانی پیش آتا ہے۔ اور کیونکر ان تفصیلات سے پیش از وقوع اطلاع دیتا ہے۔ جن کو اُس نے لطیف راہ سے اپنے وقتوں پر تیار کر رکھا ہے۔" اس تمہیدی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کو کامل یقین ہے۔ کہ جو جو وعدے اُس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ضرور پوری ہو کر رہیں گے۔ پھر اس کے بعد کتاب مذکور میں الہامات شروع ہوتے ہیں اور یہ حاشیہ نمبر ٣ میں مندرج ہیں۔ جو صفحہ ٥٦٢ تک جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے تھوڑے سے الہام مع اصل ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ١۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ ٢۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً (صفحہ ٤٨٩)

ترجمہ۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آگیا جو تیری مدد کیجائے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور و معروف کیا جائے۔ کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔ یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تو کون ہے۔ اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا یعنی کچھ نہ تھا۔ یہ گذشتہ تلطفات و احسانات کا اشارہ ہے۔ تا محسن حقیقی کے آیندہ فضلوں کیلیے ایک نمونہ ٹھہرے اور ثبات ثابت کرے کہ ملہم جو اسوقت بالکل گمنام اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکو اپنے گاؤں سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اُسپر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ اُسکی شہرت اور عزت اور اُس کی تعلیمات کا غلبہ تمام دنیا پر پھیل جائیگا۔ پھر صفحہ ۴۹۰ پر ہے۔ ”نصرت بالرعب واحییت بالصدق ایہا الصدیق۔ نصرت وقالوا لات حین مناص۔ اردت ان استخلف فخلقت اٰدم۔ انی جاعل فی الارض۔ یعنی تو رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا لے صدیق! تو مدد کیا گیا۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں۔ یعنی امدادِ الٰہی اس حد تک پہنچ جائیگی کہ مخالفوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور انکے دلوں پر یاس مستولی ہو جائیگی اور حق آشکارا ہو جائیگا۔ میں نے اپنی طرف سے خلیفہ کرنیکا ارادہ کیا سو میں نے آدم کو پیدا کیا میں زمین پر کرنیوالا ہوں۔ یہ اختصاری کلمہ ہے۔ یعنی اُسکو قایم کرنیوالا ہوں۔ اسجگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور ہدایت کیلیے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی پر اطلاق پاتی ہے۔ مراد نہیں ہے۔ اور نہ وہ بجز قریش کے کسی دوسرے کیلیے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ محض روحانی مراتب اور روحانی نیابت کا ذکر ہے۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابو البشر ہے مراد نہیں۔ بلکہ ایسا شخص مراد ہے۔ جس سے سلسلہ ارشاد اور ہدایت کا قایم ہو اور روحانی پیدایش کی بنیاد ڈالی جائے گویا وہ روحانی زندگی کی رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس میں روحانی سلسلہ کے قایم ہونیکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اُس سلسلہ کا نام و نشان نہیں۔“ پھر اس کے بعد روحانی آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا (صفحہ ۴۹۲-۴۹۳) اس مشہور و معروف کتاب کے صفحوں کے صفحے ایسے الہامات سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو اس ملہم کی عظیم الشان آیندہ کامیابیونکی پیشگوئی کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم نے انہیں چند الہامات کے لکھنے پر اکتفا کیا ہی کیونکہ ہماری غرض یہ نہیں تھی کہ ہم سارے الہاموں کو اس موقع پر جمع کریں ہم امید کرتے ہیں کہ یہ دو اقتباس ہی اس بات کے لیے کافی ہونگے کہ ہمارے ناظرین کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ کس گمنامی کے زمانہ میں کیسی بڑی اور عظیم الشان کامیابیونکی پیشگوئی ظاہر کیگئی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں ایسی عظیم الشان اور واضح اور صاف ہیں کہ جن کی نظیر موجود نہیں۔ وہ سب حقایق ہیں۔ اور یہ حقایق ایسے ہیں۔ کہ جو شخص انکی صداقت کا ثبوت سمجھنے کیلیے ذرا بھی کوشش کرے تو اُسپر اُسکا کھل جانا بہت آسان ہے۔

یہ اُس قسم کا معجزہ نہیں کہ جسکے دیکھنے اور تصدیق کرنیوالوں پر کسی قسم کے اعتراضات ہو سکیں۔ کیونکہ اسکی شہادت اور تصدیق زبانی نہیں بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں تحریری تصدیق اور شہادت ہے جو چوتھائی صدی سے چھپکر شایع ہو چکی ہے۔ اور جسکے بیان و الفاظ میں کوئی تغیر نہ واقعہ ہوا ہی اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی غالی اور مداح کے مبالغہ کا رنگ کارگر ہو سکتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئیاں درج ہیں اسکی ہر جلد کے ٹائٹل پیج پر اور اسکے ہر اشتہار پر تاریخ اشاعت لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسی ثابت شدہ بات ہے کہ جس سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کسی صاحب کے انکار کا جنون یہاں تک بڑھ گیا ہو اور اس کی اشاعت کے زمانہ کا مزید ثبوت حاصل کرنیکے درپے ہو تو وہ سرکاری کاغذات ہی سے تسلّی کر لیوے۔ اور شہر لنڈن کے برٹش میوزیم میں دیکھ لیوے جہاں اسکی جلدیں موجود ہیں۔ براہین احمدیہ کوئی ایسی گمنام کتاب نہ تھی کہ جس کی اشاعت بھی ہو گئی ہو اور پبلک نے اسکو دیکھا بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسی مشہور کتاب ہے کہ شایع ہوتے ہی سارے ہندوستان میں اسکی دھوم مچگئی۔ اور کئی مخالف و موافق ریویو اسپر شایع ہوئے۔ یہ تو ایک پہلوان کی طرح ملک کے میدان میں کھڑے ہو کر سارے اہل مذہب کو للکار للکار کر پکار رہی تھی کہ جو کوئی چاہے میرا مقابلہ کرے اور اسلام کی تائید میں جو دلایل قرآن شریف سے مجھ میں لکھے ہیں اُنہیں توڑنے اور اپنے مذہب کی تائید میں اُسی قسم کے زبردست دلایل دکھلانے میں کامیاب ہو تو دسہزار روپیہ کا انعام مصنف سے پائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس مضمون کے ہزارہا اشتہارات اردو و انگریزی میں چھپکر سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے ہر ملت و مذہب کے لوگوں کو پہنچائے گئے۔ ان ساری باتوں سے پایا جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ اسی زمانہ میں شایع ہو چکی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور مذکورہ بالا عظیم الشان پیشین گوئیاں بھی اسی زمانہ کی شایع شدہ ہیں۔ اسلیے اس بات سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہو سکتی کہ یہ پیشین گوئیاں اسی طرح اسکے ساتھ ہی بکثرت شایع ہوئیں۔ اور ہر دشمن و دوست اور اپنے پرائے کے ہاتھ میں پہنچیں اور ایسے زمانہ میں پہنچیں جو آج سے پچیس ۲۵ سال پیشتر تھا۔ امر اشاعت کے بعد دوسرا امر دیکھنے والا ان پیشگوئیوں کا نفس مضمون ہے۔ ان میں خبر دیگئی ہے کہ ملہم پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ جب ہر دور کی راہ سے لوگ اُس کے پاس جوق جوق آئیں گے۔ اور ان زائرین کی اتنی کثرت ہوگی کہ وہ تھکا دینے والی ہوگی۔ یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ اسکی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور تمام مخالفت خدا کے دست قدرت سے دور کر دیجائیگی۔ یہ پیشگوئیاں ایک معجزہ ہیں۔ اور اس امر کے مزید ثبوت کے لیے یہ امر دکھانا ضروری ہے کہ جسوقت ملہم نے اسکو بیان کیا تھا اسوقت نہ تو اسکا کوئی مرید ہی تھا اور نہ ہی کوئی مخالف ایسا تھا جو اُسے تباہ کرنے اور نیست و نابود کرنے پر تُلا ہوا ہو۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے اور معجزہ کی تکمیل کو ثابت کرنیکے لیے ضروری ہے کہ یہ دو باتیں جیسی کہی گئی ہیں اُسی طرح انکا پورا ہونا بھی ثابت کیا جائے۔ اس لیے

ہم اب اس بارہ میں عہدہ برآ ہونیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے امر اول کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں جو شہادت موجود ہے وہ صرف چند ایسے آدمیوں کی شہادت نہیں جن کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا ذاتی تعلق ہے۔ نہ ہی وہ لوگ گواہی میں پیش کیے جاتے ہیں جن کی نسبت کسی طرح سے ایسا گمان ہو سکتا ہو کہ انکی نیت میں دوسروں کو دھوکہ اور گمراہی میں ڈالنا مرکوز تھا۔ یہاں تو کسی دوست کی شہادت پیش ہی نہیں کیجاتی بلکہ دشمنوں کی شہادت دیجاتی ہے۔ حضرت ممدوح کے خطرناک جانی دشمن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جسوقت کتاب براہین احمدیہ اور اُس کے مندرجہ مذکورہ بالا الہامات شایع کیے گئے تھے اُس زمانہ میں وہ کنج خلوت میں تنہا اور گمنام انسان تھا۔ اور یہ ایسا مسلمہ امر ہے کہ لاکھوں لوگوں نے طرح طرح سے مخالفت میں حیلہ سازیاں اور منصوبے کیے اور بہت کچھ ناحق باتیں بھی بنائیں۔ لیکن اس امر کا کسی طرح سے انکار نہ کر سکے۔ علاوہ بریں جو الہامی عبارات اوپر درج کی گئی ہیں اُنسے صاف طور پر یہی عیاں ہو رہا ہے کیونکہ ان پیشگوئیوں کی اشاعت سے پہلے ایک عبارت موجود ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان مبارک پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ جو اپنے بندہ کو اسکی تائید کی خبریں پیش از وقوع بتلاتا ہے اور بڑے بڑے عمیق رازوں اور اسرار عالیہ کا بہت حیرت انگیز طور پر انکشاف فرماتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو شخص ان باتوں کو غور سے دیکھتا ہے اور صاف اور پاک نظر سے اُنکی عظمت اور وقوع پر غور کرتا ہے اسکو بلا اختیار ایک ضروری اور جازم یقین سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ خدا کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اور اُسی کی عطا کردہ تائیدیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ تمام مواہب لدنیہ اور برکات و انوار الٰہیہ جن سے ہر ایک مذہب محروم ہو چکا ہے صرف اسلام ہی میں موجود اور محصور و محدود ہیں۔ اور اسکے سوائے کہیں پائی نہیں جاتیں۔ ان کشوف اور الہامات کے اسقدر عرصہ دراز قبل از وقوع لکھنے کا یہ باعث تھا کہ جسوقت یہ آیندہ زمانہ میں پورے ہوں تو اسکی حقیقت حقہ کو ہر ایک آدمی بہ یقین کامل سمجھ لے اور یہ بات عیاں ہو جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور اُس کے بزرگ مُنہ کی باتیں ہیں۔ پس اس رنگ میں ان امور کا لکھنا خود ثابت کرتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں بطور ایک معجزہ کے پیش کیگئی تھیں۔ اور اگر انکا پورا ہونا معجزہ نہ ہوتا تو اسیوقت یہ اعتراض کیا جاتا۔ انہی پیشگوئیوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُس کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی جسقدر مخالفت کیگئی ہے اسکی نظیر صرف انبیاءؑ کے حالات میں مل سکتی ہے کوئی پہلو مخالفت کا مخالفوں نے نہیں چھوڑا۔ اور انپر الزام لگانیمیں جھوٹ کی کسی شق کو اُٹھا نہیں رکھا۔ اگر ان پیشگوئیوں کی اشاعت کے وقت حضرت ممدوح کا کوئی بھی مرید ہوتا تو کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مخالف اس امر سے خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن وہ اسوقت ایسی گمنام تھی کہ جس جس مخالف نے اس وقت ان پیشگوئیوں کو دیکھا یا سُنا اُس نے مضحکہ اُڑایا اور ٹھٹھا مارا۔ کیونکہ وہ ان کو امر محال اور ناممکن سمجھتے تھے۔ اور قیاس کیونکر ایسی باتونکی کسیوقت پورا ہونیکو مان سکتا تھا۔ کیونکہ معمولی اس

بات کا وجود بھی نہ تھا۔ قادیان جیسے گمنام گاؤں میں جہاں نہ کوئی دینی مکتب و مدرسہ تھا اور نہ کوئی ذریعہ حصول علوم موجود تھا اور نہ ہی وہ کسی مشہور و معروف شہر کا کوئی حصہ ہی تھا وہاں بیٹھے ہوئے ایک گمنام خلوت نشین درویش مزاج للکار کر کہہ رہا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنیوالا ہے کہ میری زیارت کیلئے۔ میری خدمت کے لیے مجھ سے فیض حاصل کرنیکے لیے چار اطراف عالم سے لوگ بھاگے چلے آوینگے۔ اور بہت کثرت سے آوینگے۔ ایسی حالت میں اسپر مضحکہ نہ اڑایا جاتا تو اور کیا کیا جاتا۔ کون مان سکتا تھا کہ ایسی باتیں کبھی پوری ہوسکیں گی + اور ایک تیسری بات بھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کے بیان کرنیکے وقت حضرت ممدوح ایک گمنام انسان تھے۔ جنہیں شہرت جانتی ہی نہ تھی۔ اور کوئی انکا مرید اور ساتھی نہ تھا۔ یہ وہ شہادت ہے جو خود مضمون الہامات سے ملتی ہے۔ ہم نے ابھی کچھ حصہ اسکا اوپر دونوں پیشگوئیوں کے ذکر میں لکھدیا ہے جنمیں سے ایک میں لکھا ہے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جب لوگوں میں تو پہچانا جائیگا۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ اسوقت لوگ آپ کو نہ جانتے تھے۔ اور ایک اور الہام سے آپکا تنہا اور گمنام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہے ھل اتی علے الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا الخ یعنی کیا تجھ پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب تیرا ذکر ہی دنیا میں نہ تھا" یعنی کوئی نہ جانتا تھا کہ تو کون ہے۔ اس الہام میں ملہم کو اپنی موجودہ حالت آیندہ کامیابی کی زمانہ میں یاد کرائی گئی ہے ایسا ہی ایک اور الہام ہے جس میں بطور دعا یہ پیشگوئی درج ہے اور وہ یہ ہے۔ رب لاتذرنی فردا وانت خیر الوارثین یعنی کہ میرے خدا مجھے تنہائی کیحالت میں نہ رہنے دیجو۔ اور تو تو خیر الوارثین ہے" اس سے ثابت ہے کہ اسوقت ملہم تنہا اور گمنام تھا۔ اب صرف ایک اس بات کو ثابت کرنا باقی ہے کہ آیا فی الحقیقت یہ پیشگوئیاں وقوع میں آئیں اور پوری ہوئیں یا نہیں؟ یہ ایک ایسی عیاں بات ہے کہ جو مزید ثبوت کی محتاج نہیں۔ حضرت ممدوح نے جس سلسلہ کو قایم کیا ہے اسکا نام سلسلہ عالیہ احمدیہ ہے۔ اور یہ سلسلہ قریباً دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر ایک آدمی اس سے واقف ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس بات پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس آفتاب کی طرح عیان حقیقت پر مزید ثبوت چاہتے ہوں۔ وہ خود اسکی تحقیقات کرکے اطمینان حاصل کرلیں۔ اس گمنام اور تنہا شخص کے مریدوں کی تعداد اب کئی لاکھ ہوگئی ہے اور دن بدن ترقی پر ہے لوگ جوق در جوق اطرافِ عالم سے ہر روز قادیان میں حضور ممدوح کی خدمتمیں چلے آتے ہیں اور برکت صحبت اور دیدار سے شرف فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ سال میں اسقدر جم غفیر جمع ہوجاتا ہے کہ مصافحہ کیلیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے ہی انسان تھک جاتا ہے۔ اور یہ حال دیکھ دیکھ کر خدا کے کلمات لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ اور انہیں پورا ہوتے دیکھ کر ایمان و عرفان بڑھتا ہے۔ اگر بنظر عمیق غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ یہ پیشگوئی بہت ہی عظیم الشان اور بہت ہی قابل قدر ہے۔ اور یہ ایسا زبردست اور صریح النبوت معجزہ ہے کہ جس کے برابر ثبوت کی صفائی کے پہلو سے انبیائے بنی اسرائیل کی تواریخ میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ ملہم ایک عظیم الشان انسان ہوگا۔ اور سخت ترین مخالفتوں کی بوچھاڑ میں

اسکی فتوحات اور کامیابیاں کامل ہوجائینگی۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہورہا ہے کہ خطرناک مقابلہ حق و باطل کا ہوگا۔ اور اہل باطل اس ملہم کو نیست و نابود کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیں گے۔ یہی مطلب الہام یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ سے پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے الہام کا یہ مضمون ہے کہ آخر کار جب باوجود خطرناک مخالفتوں کے خدا تعالیٰ کی نصرت یہانتک اسکا ساتھ دیگی کہ وہ کامیاب اور ناصر و منصور ہوجائیگا۔ تو دشمن ان کامیابیوں کو دیکھ کر مایوسی میں گرفتار ہوجائیں گے۔ اور اُنکو اسوقت معلوم ہوجائیگا کہ انکی مخالفتوں نے انہیں کچھ بھی فایدہ نہ دیا۔ بلکہ خدا کے زبردست ہاتھ نے ملہم کی تائید ایسی زبردستی سے کی کہ انکے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ غرض براہین احمدیہ میں بہت سارے الہامات سے پتہ ملتا ہے کہ اس ملہم کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور انجام کار تمام مخالفتیں خاک میں مل جائیں گی۔

واضح رہے کہ اس کتاب کے شایع ہونیسے آٹھ برس بعد تک ملہم ایسی ہی حالت میں رہا۔ نہ کوئی سلسلہ ہی قایم ہوا اور نہ ہی کوئی مخالفت پیش آئی۔ پھر اسکے بعد خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک نیا سلسلہ جسکا نام اوپر سلسلہ احمدیہ بیان کردیا گیا ہے قایم کیا گیا۔ اس سلسلہ کے قایم ہوتے ہی مخالفوں میں عداوت کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ چاروں طرف سے بہت زور کی مخالفت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس کی یورش ایسے زور آور طور پر ہوئی کہ کسی انسان کا بجز تائید ربّانی کے اس کے مقابلہ میں کامیاب ہونا تو درکنار کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ سارا ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک مخالفت پر تُل پڑا۔ مولوی لوگوں نے قلمیں اُٹھا کر مسیح موعودؑ کی تکفیر کے فتوے دیکر جاہلوں میں جوش پھیلایا۔ اور حضرت ممدوح کے مریدوں کو بھی کافر ٹھہرا کر ہر قسم کے جور و غضب و افترا کو انکے برخلاف کام لانیکو جائز قرار دیا۔ اس بیچاری غریب اور تھوڑی سی جماعت کو طرح طرح کے مظالم کا شکار بنایا۔ انہیں اپنی سوسائٹی سے کاٹ دیا۔ اور انکا مسجدوں میں داخل ہونا ممنوع کردیا۔ اور فتویٰ دیدیا کہ ان کے مسجد میں داخل ہونیسے مسجد ناپاک ہوجاتی ہے۔ اور انکی میتوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونیسے روکنے کا فتویٰ دیا اور اعلان کردیا کہ یہ ناپاک ہیں۔ اور انکے دفن ہونے سے قبرستان ناپاک ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکے نکاح نکاح نہیں ہر ایک مسلمان پر جائز بلکہ واجب ہے کہ انکی عورتیں اور انکے اموال و املاک ہر طرح سے چھین لے۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص اس مدعیٔ مسیحیت و مہدویت کو قتل کریگا اسکو بہت بڑا ثواب ملیگا۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکو نقصان پہنچانیکے لیے ہر قسم کا جھوٹ۔ فریب۔ دغا۔ خیانت بدنیتی وغیرہ جائز بلکہ کار ثواب ہیں۔ القصہ اس طرح جہلا کو مخالفت پر آمادہ کرنے اور انکے غیظ و غضب کو بھڑکانے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔ یہ ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اگر انسان ہی کا منصوبہ ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی کا تباہ ہوگیا ہوتا۔ لیکن یہ خدائی ہاتھ اور خدائی وعدے تھے کہ جس نے ساری مخالفت ہی خاک ملادی۔ اور اس سلسلہ کی ترقی شروع ہوگئی۔ اور اسکی وسعت و تعداد روز افزوں ہوتی گئی۔ یہانتک کہ آج تک تین لاکھ سے زیادہ انسان حلقۂ بیعت میں داخل ہوچکے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان

معجزہ ہے جس سے اس مدعی مسیحیت و مہدویت کے دعاوی کی تصدیق اور خداوند قادر مطلق اور علام الغیوب کی ہستی کا ثبوت کامل طور پر ملتا ہے۔ آج سے پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ برس پہلے جبکہ ملہم اکیلا اور بے یار و مددگار تھا۔ نہ اسکو کچھ شہرت ہی حاصل تھی اور نہ کوئی مرید ہی رکھتا تھا۔ تو اس حال میں اُسکو بشارت دی گئی کہ تو اکیلا نہیں چھوڑا جائیگا۔ بلکہ تجھے متبعین کی جماعت کثیر دیجائیگی۔ اور دنیا کے ہر اطراف و اکناف اور دُور دُور سے لوگوں کا اتنا ہجوم تیرے پاس آئیگا کہ تو تھک جائیگا۔ اور وہ تیرے سلسلہ کی اشاعت میں تیری مدد کریں گے۔ پھر ایک اور امر جو پیشین گوئی میں درج تھا یہ تھا کہ مخالف لوگ اپنی کوششوں اور حیلہ بازیوں سے اُس نور کو بجھانا اور مٹانا چاہیں گے جو خدا تعالیٰ نے تیرے ہاتھ سے منور کرایا ہے۔ لیکن انکی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اور سب منصوبے نیست و نابود کیے جائیں گے۔ ان پیشگوئیوں کی اشاعت اور انکے پورے ہونے کے ثبوت پر ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو عام طور پر معجزات کی صداقت سمجھنے پر ہو سکتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان کبھی باور نہیں کر سکتا کہ یہ حیرت انگیز انکشاف اسرار غیبیہ جن کے سمجھنے سے قیاس و وہم قطعی طور پر عاجز ہیں۔ کسی انسانی تخمینہ و اندازہ سے بیان کیے جا سکتے ہیں بلکہ صرف اُس علام الغیوب قادر مطلق خدا کے الہام ہی کے ذریعہ سے ایسے امور قبل از وقت بیان کیے جانے ممکن ہیں۔ اُسوقت کوئی سبب ایسا موجود نہ تھا کہ جس سے کوئی فہیم سے فہیم یا دانا سے دانا انسان بھی ایک لحظہ کے لیے قیاس کر سکتا کہ ایسا گمنام اور خلوت نشین بے یار و مددگار انسان جسے دنیا میں کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جو ایک گمنام گاؤں میں بگوشۂ عزلت پڑا ہوا تھا کسی دن لاکھوں انسانوں کا امام و پیشوا ہو سکے گا۔ اگر انسانی طاقت ایسے امور اس طرح منکشف کر سکتی ہے تو پھر اسکی اور مثالیں بھی موجود ہونی ضروری ہیں۔ یہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ جس کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالنے سے اس کی عظمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہیں کہ لوگ اس کے پورا ہونیکی راہ میں مخالفت کی وجہ سے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان تمام رکاوٹوں کو پس پا کر کے وہ اپنے وعدوں کو پورا کر کے چھوڑیگا۔ اور وقوع میں بھی اسی طرح آیا۔ تو کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ ساری دنیا کو ایسا چیلنج کرے اور پھر یقیناً کامیاب ہو؟ ہرگز نہیں! بلکہ انسان تو یقین کے ساتھ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل تک زندہ رہیگا۔

یہانتک تو ہم نے مختصر طور پر ثبوت پیش کر دیے ہیں۔ اب انہیں بیان کرنیکے بعد ہم ہر ایک راستی کے طلبگار۔ دہریہ عیسائی ہندو مسلمان یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں۔ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں اور اُسکی ہستی اور قدرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی خدمت میں اس کے بزرگ نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اُسکو نہیں مانتے اور اُسکی ہستی پر یقین نہیں رکھتے اُنکی خدمت میں انصاف اور راستی کے نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور اُنسے استفسار کرتے ہیں کہ بحالات مندرجہ بالا یہ شہادت جو ہم نے لکھی ہے اس بات کے ثبوت کے وجوہ پیدا کرنیکے لیے کافی ہے کہ نہیں کہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونیسے جو معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ انسانی طاقت اور قیاس سے باہر ہے؟

ہر ایک حق جو حق پسند پر لازم ہے کہ اس شہادت کا موازنہ کرے اور ان واقعات پر غور کرے۔ اور اس غور و خوض کے بعد اگر کوئی معقول وجہ اُسے ایسی نظر آوے کہ جس سے کوئی معقول اعتراض اس نتیجہ کے یقینی ہونے پر عاید ہو سکتا ہے تو از راہِ انصاف پروری و حق جوئی اُس سے مجھے اطلاع دیں کہ مَیں اُسکے دُور کرنیکی اور انکو اطمینان دلانے کی کوشش کروں۔ بہت لوگ مسیح موعودؑ کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور بہت لکھیں گے۔ لیکن ہم معقول پسند لوگوں کے انصاف کو اپیل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے وہ ان امور کی تحقیقات کرلیں۔ اور اس معجزہ پر اپنا فیصلہ ظاہر کرنیکے بعد کسی اور طرف متوجہ ہوں۔

Digitized by Khilafat Library

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

(۱) قرآن کریم کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۃ الحجر آیت ۹) یعنی "اس قرآن کو ہم نے آپ ہی نازل کیا ہے اور اسکی حفاظت ہم خود ہی کرینگے"۔ خداوند کریم جو عیب اور نقص سے پاک ہے اس کے وعدوں کو جب دیکھا جاتا ہو اور پھر اُنکے پورا ہونے پر غور کیا جاتا ہے تو اسکی عظمت اور جلال پر دل اور بھی زیادہ ایمان اور عرفان سے معمور ہوتا ہے۔ اور جس عیاں اور زبردست طور پر اُسکے وعدے پورے ہوتے ہیں انکا اعتراف نہ صرف مومن ہی کو ہوتا ہے بلکہ غیر مومن بھی طوعاً و کرہاً اُسپر گواہی دینے کیلیے مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ الٰہی جو آیت مندرجہ عنوان میں دیا گیا تھا جس عظمت اور صفائی کے ساتھ اُس کے پورا ہونیکی حقیقت دنیا پر آجتک ثابت اور ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی روز روشن کی طرح چمکتی ہے کہ بڑے بڑے مخالفان قرآن کریم بھی انکی واقعیت اور حقیت پر بے ساختہ شہادت دے اُٹھے ہیں۔ ہم اسجگہ ایک بڑے پرلے درجہ کے دشمن اسلام کے الفاظ ہی نقل کرنے پر کفایت کرینگے جسکا نام سر ولیم میور ہے اور جس نے پادریوں کو صلیب پرستی کی مسلمانوں میں ترویج اور تبلیغ و اشاعت کی امداد اور اسلام کی مخالفت کیلیے کتاب لائف آف محمد لکھی اور شایع کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچہ کے صفحہ ۲۱ (طبع سوم) پر اس نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ[۱۲] صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ اور پھر ایک دوسرے عیسائی وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہی کہ "ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن (شریف) کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسی

خدا کا کلام سمجھتے ہیں" جس میں صاف اعتراف اس بات کا پایا جاتا ہے کہ جو قرآن شریف اسوقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بلاکم وکاست وہی قرآن کریم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اور اسکی کسی عبارت یا کسی لفظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے اسباب اور حالات تھے جن کی وساطت سے یہ مقدس ترین کتاب ہمیں بغیر کسی تحریف اور آمیزش کے ٹھیک اسی طرح پہنچی جس طرح ہمارے سید ومولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل ہوئی تھی؟ ان اسباب کا تعلق مذہب اسلام کی تاریخ کے دو مختلف زمانوں کے ساتھ ہے یعنی اول زمانہ حیات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرا زمانہ خلفائے راشدین جنہوں نے کمال دیانت اور امانت کے ساتھ اس مقدس کلام کو آئندہ نسلوں تک ٹھیک اسی طرح پہنچایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چھوڑا تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کی طرف سے ایک کتاب مسمی بہ تاویل القرآن اُردو زبان میں شایع ہوئی تھی جس کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کتاب میں گمنام مصنف نے آیت مذکورہ عنوان کے متعلق بھی خامہ فرسائی کرنیکی جرأت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت میں الذکر سے مراد مطلق قرآن شریف نہیں بلکہ تمام کتب سماوی مراد ہیں پس قبل ان اسباب کو بیان کرنے کے جنکا ذکر اوپر ہوا ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاویل القرآن کی غلطی کو ظاہر کیا جاوے اس میں شک نہیں کہ لفظ ذکر جیسا قرآن شریف کے لیے بولا گیا ہے دوسری کتب سماوی کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس خاص موقعہ پر جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد اس سے قرآن کریم ہے۔ یا جملہ کتب سماوی۔ سو خود قرآن کریم کے پڑھنے سے اور آیت زیر بحث کے ماقبل اور مابعد پر غور کرنیسے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ آیت مذکورہ سورہ حجر کی نویں آیت ہے اور سورہ شریفہ اسطرح پر شروع ہوتی ہے۔ الٓر ۔ تلك ايات الكتب و قرآن مبين۔ اور پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک کلام الٰہی میں یوں وارد ہوا ہے وقالوا يايها الذى نزل عليه الذكر انك لمجنون۔ لوما تاتينا بالملئكة ان كنت من الصدقين۔ ما ننزل الملائكة الا بالحق وما كانوا اذا منظرين۔ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون۔ ترجمہ "اور کافروں نے کہا کہ اے شخص جس پر الذکر اُتارا گیا ہے تو تو دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لاکھڑا کرتا۔ سو ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لیے۔ اور (جب فرشتے نازل ہونگے تو) پھر انکو مہلت بھی نہ ملیگی۔ بیشک ہم ہی نے الذکر اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت بھی کرینگے"! ان چار آیتوں میں دو جگہ لفظ الذکر آیا ہے۔ اور سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ جو کچھ الذکر سے پہلی یعنی چھٹی آیت میں مراد ہے وہی مراد آخری یعنی نویں آیت یا آیت زیر بحث میں ہے۔ لیکن پہلی جگہ لفظ الذکر سے صاف مراد قرآن شریف ہی وہی قرآن مبین جسکا ذکر شروع سورہ میں ہے۔ کیونکہ کافروں کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہی پس الذکر سے مراد قرآن شریف ہی ہوا نہ جملہ کتب سماوی۔ اور یہی مراد اس لفظ سے دونوں جگہ ہے۔ اسی بات کی تائید قرآن کریم کی اور آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورۃ حٰم السجدہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بعینہ یہی مضمون کو دوہرایا گیا ہے۔ ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ ترجمہ جن لوگوں کے پاس (قرآن جیسی) نصیحت آئی اور انہوں نے اسکو نہ مانا (وہ بھی اپنا انجام کار دیکھ لیں گے) اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کیطرف) سے اسکے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے (کیطرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوار حمد (وثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔" ایسا ہی اور بھی کئی آیات ہیں جو صاف طور سے اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن شریف میں شروع ہی سے یہ الٰہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہر قسم کی تحریف۔ آمیزش۔ تغیر و تبدل اور بربادی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے گا۔ ابتدائی زمانہ سے ہی مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آتا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو ہر قسم کے حملوں اور تصرف سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ حضرت مجاہد اور قتادہ جو تابعین میں سب سے پہلے مفسران قرآن ہیں وہ بھی اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحٰفظون۔ اور آیت لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید سے یہی مطلب ہے کہ اس کلام پاک میں کوئی ایسا لفظ نہیں ڈالا جائے گا جو کلام الٰہی نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصہ کلام الٰہی اس میں درج ہونے سے رہ جائیگا یا درج ہونیکے بعد نکالا جاسکیگا۔ ایسا ہی یہ دونوں بزرگ اور انکے علاوہ تمام مفسرین قرآن کریم اس بات پر متفق ہیں کہ الذکر سے مراد ان دونوں آیات میں قرآن کریم ہی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۴ صفحہ ۶ و جلد ۲۴ صفحہ ۷۱-۷۲۔ غرض یہ ایک ایسی بیّن اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے پہلے اور پچھلے مفسرین ان آیات حفاظت قرآن کریم کے متعلق وہی اعتقاد رکھتے تھے جو آجکل مسلمانوں میں متفقہ طور پر مروّج و مسلّم ہے۔ اور اس امر کی کافی شہادت موجود ہے۔ اب ایسی صریح اور ثابت شدہ حقیقت پر جو آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہی ہے بے اعتباری کا پردہ ڈالنا ایک بیہودہ اور احمقانہ کوشش نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف تاویل القرآن نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ کسی وعدے کا وجود اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ اُسکا ایفا بھی ہو گیا۔ اور اس لیے وعدہ خود ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ان کے اس خیال کے ساتھ تو ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ اس وعدے کے ساتھ ایسے واقعات موجود ہیں جن پر نگاہ انصاف ڈالنے سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا ایفا نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا اور قرآن کریم میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل ہو گیا ہوتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور وقوعہ

ہوتی یعنی یا تو جن لوگوں نے ان تصرفات و تغیرات کو دیکھا تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اس کے کلام الٰہی ہونیکا انکار کرتے۔ یا ان آیات بینات کی جن میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے موجودہ تفسیر کے سوا کوئی اور تعبیر یا تاویل کرتے لیکن یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ اسوجہ پر کسی نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بعض لوگ مرتد ضرور ہوئے مگر اس بنا پر کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا کوئی مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے آیات وعدہ حفاظت قرآن کی کوئی اور تفسیر یا تاویل کی۔ بلکہ سب کے سب بالاتفاق اسی اعتقاد پر جمے رہے اور ایک صحابی کا نام بھی نہیں بتایا جاسکتا جس نے ان دو شقوں میں سے کوئی ایک اختیار کی ہو۔ بلکہ جن معنوں کا پتہ ہمیں تابعین سے ملتا ہے جن کے معلم اجلہ صحابہ تھے وہ وہی معنے ہیں جو ہم نے اوپر اختیار کیے ہیں اور جن کی بنا پر شروع سے لیکر آجتک تمام مسلمان قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی وعدے کو سچا یقین کرتے چلے آئے ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لفظوں کے یہی معنے کرتے تھے۔ انکے سوا کوئی اور مطلب ان الفاظ کا ان سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر وہ ان الفاظ کے کوئی اور معنے کرجاتے تو ضرور تھا کہ وہ ہم تک بھی پہنچتے جیسا کہ ایک اور پیشگوئی کی تفسیر اور معنے بیان کرنے میں ہوا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اسرعکن لحوقابی اطولکن یدا جس کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ تم میں سے مجھے بعد وفات وہی پہلے ملے گی جس کے لمبے ہاتھ ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جو صحیح مسلم میں بروایت حضرت عائشہ ام المومنین درج ہے۔ ذیل میں نقل کیجاتی ہے عن عایشۃ ام المؤمنین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا فکن یتطاولن ایتھن اطول یدا قالت فکانت اطولنا یدا زینب لانہا کانت تعمل بیدھا وتصدق۔

ترجمہ۔ "حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے مجھ کو جلدی وہ ملے گی۔ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ بات سُنکر تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ اس بات کے دریافت کرنیکے لیے ناپنے لگیں کہ کس کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں۔ پھر آخر کار زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اُسکی سخاوت کی وجہ سے اس حدیث کی منشاء کے مطابق سب سے لمبے ثابت ہوئے۔" ان مقدس بیبیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنکر اس کے یہی معنے سمجھے کہ گویا اِس سے مراد جسمانی طور پر لمبے ہاتھ ہیں۔ اور اسی لیے غلط فہمی سے ایکدوسرے سے ہاتھوں کو ناپنا شروع کردیا۔ لیکن احادیث کی کتابیں ایسی احتیاط اور امانتداری سے لکھی گئی ہیں کہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر تمام امور کو درج کردیا گیا ہے۔ اُنکی یہ غلطی بھی حدیثوں میں صاف طور پر درج ہے اور اس کے صحیح معنے بھی کھلے طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ چنانچہ امام نووی نے اس حدیث کے معنے یہ لکھے ہیں۔ معنی الحدیث انہن ظنن ان المراد بطول الید طول الید الحقیقیۃ وھی الجارحۃ

فکن یذرعن ایدیھن بقصبۃ فکانت سودۃ اطولھن جارحۃ وکانت زینب اطولھن یدا فی الصدقۃ وفعل الخیر فماتت زینب اولھن فعلموا ان المراد طول الید فی الصدقۃ والجود قال اھل اللغۃ یقال فلان طویل الید وطویل الباع اذا کان سمحا جوادا- یعنی اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلعم کی بیویوں نے یہی سمجھا تھا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد فی الحقیقۃ لفظی طور پر لمبے ہاتھ ہی ہیں- اور اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کو ناپنا شروع کر دیا- ناپنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کی بیوی سودہ رضی کے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے- اور حضرت زینب رضی صدقہ و خیرات میں سب سے دست دراز رکھتی تھیں- اور وہ ہی سب سے پہلے فوت ہوئیں- اُسوقت انکو معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کے اصل معنے یہ تھے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور خیرات اور صدقہ میں سب سے سبقت اور فوقیت تھی نہ کہ جسمانی پیمایش- اہل لغت ایسے فقرات کے یہی معنے کرتے ہیں چنانچہ جب کہتے ہیں کہ فلان طویل الباع یا فلان طویل الید تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ فُلاں شخص بہت بڑا سخی اور فیاض طبع ہے- (دیکھو نووی حاشیہ مسلم) ایسا ہی حضرت امام بخاری اور مشہور و معروف صاحب فتح الباری بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے معنے ازواج مطہرات نے پہلے ہی سمجھے تھے- لیکن بعد میں اُنپر منکشف ہوگیا کہ اسکے معنے وہ نہیں جو انہوں نے سمجھے ہوئے تھے بلکہ سخاوت اور فیاضی میں سبقت مراد تھی- (دیکھو بخاری باب صدقات)

غرض اسلامی لٹریچر میں دین کو ایسا مقدم رکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی کی کبھی کچھ رعایت نہیں کی اور نہ ہی کسی کی پاس خاطر سے کبھی کسی امر کا اخفا یا کم و بیش کر کے لکھا گیا- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ایک حدیث کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو اکثر معتبر کتابوں میں اسکا ذکر موجود ہے- یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی تھی اگرچہ یہ پیشگوئی قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم کی فرمائی ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے صحیح منطوق کے ساتھ پوری ہوئی- یعنی حضرت بیوی زینب رضی جو جود و سخا اور کرم و فیض میں سب بیویوں سے بڑھی ہوئی تھیں سب سے پہلے فوت ہوئیں اور سودہ رضی پہلے فوت نہ ہوئیں جنکے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے جبکہ ایسی معمولی درجہ کی باتوں کے اختلافات اور معانی احادیث میں اسقدر دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ درج ہیں تو قرآن کریم کی حفاظت کے وعدوں کی آیات جو ایک پہلو سے اصول اسلام میں شمار ہوتی ہیں اور ایسی اہم اور ضروری ہیں کہ ہر ایک کو انکے معانی کے ساتھ بڑا بھاری تعلق ہے تو ایسے اہم امر کی متعلقہ آیات کے لفظی معنوں اور اس عظیم الشان وعدہ کے ظاہری رنگ میں پورا ہونے میں ذرہ بھی اختلاف اور انحراف واقعہ ہوتا تو نہایت ضروری تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر اس طرف جاتی کہ اس پیشگوئی سے مراد اسکا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا نہیں بلکہ اس سے کچھ اور مطلب ہے- اور وہ مطلب بیان کرتے اور آیندہ نسلوں کو اس سے مطلع کرتے- لیکن حدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں

کہیں کسی جگہ صحیح اور مستند تو کیا کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اس بات کی تائید میں نہیں ملتی جس میں صراحت سے نہ سہی کنایۃً ہی یہ اشارہ ہو کہ یہ وعدہ الٰہی اپنے ظاہری معنوں میں پورا نہ ہوا تھا اور اسکی تاویل یہ کی گئی تھی کسی حدیث میں اس بات کا صراحتاً یا کنایتاً ذکر نہ ہونا ایک ایسی زبردست دلیل قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی ہے کہ اسکے بعد کسی دلیل کے دینے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اس سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو سامنے اور ان کی زندگیوں میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تغیر تبدل یا کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ رضؓ کرام کے بعد بھی ہم یہی بات دیکھتے ہیں چنانچہ وہ بزرگ قوم تابعین جنہوں نے بڑی محنتوں اور مشکلات سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور دین کی خاطر صحابہ رضؓ سے قرآن شریف سیکھا تھا اور احادیث حاصل کی تھیں اور انکی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیات سے یہی مراد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی۔ اور خدا اس کی خود نگہبانی کرتا رہے گا۔ اس تمام تحریر سے یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب رضؓ قرآن شریف کی حفاظت کی پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم کا پورا ہونا ظاہری الفاظ کے موافق مانتے تھے۔ اور اسپر یقین کامل رکھتے تھے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور یہ وعدہ الٰہی ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ اس وعدہ الٰہی میں تجاوز محسوس کرتے اور اس بات کو دیکھ پاتے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور تحریف کسی طرح سے واقعہ ہو گیا ہے تو ایسے جوانمرد راستبازی کے عاشق سچائی کے حامی اور شیدائی کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے۔ لیکن ساری اسلامی تواریخ کے اوراق دیکھ لو کہیں ایک حرف بھی ایسا نہ پاؤ گے کہ جس سے صراحتاً نہ سہی اشارتاً ہی اس کی تائید ہوتی ہو۔ کہیں یہ نہیں دیکھوگے کہ صحابہ رضؓ کی جماعت بلکہ ان کے کسی ایک فرد متنفس نے بھی اس وجہ پر آنحضرت صلعم کی صداقت پر حرف رکھا ہو۔ اسلامی تاریخ دوسرے مذاہب کی تاریخ کی طرح مخفی اور تاریک نہیں بلکہ نہایت مکمل اور مفصل اور معتبر تاریخ موجود ہے۔ اسلیے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور دھوکہ دہ ہوگا کہ ایسا عظیم الشان اور اہم امر واقعہ ہوا ہو اور چھوڑ دیا گیا ہو یا وہ متاخرین کی نظروں سے ہی اٹھا رہا ہو۔ صحابہ رضؓ کے حالات دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ نہ تھے کہ اس پیشگوئی کو بظاہر ناکام دیکھ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے۔ وہ ایسے دلیر اور سچائی کے بیلے شجاع تھے کہ اگر کہیں ذرہ سا شک بھی انکی طبیعت میں کسی امر پر پیدا ہوتا تو وہ بہت آزادی سے بیان کرتے۔ یہانتک کہ اگر کوئی شبہ یا وسوسہ ان کے دلوں میں کسی وقت رہگیر ہوتا تو وہ آنحضرت سرور کائنات صلعم کے حضور میں بھی بآزادی تمام پیش کر دیتے۔ اور کبھی نہ رکتے۔ ہم اُن کی اس جرأت کے متعلق بطور مثال ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ (صلعم) مع جماعت طواف بیت اللہ کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ رؤیا منجانب اللہ تھا۔ اس لیے چودہ سو سے کچھ زیادہ جماعت صحابہ رضؓ لے کر آپ (صلعم) مدینہ سے مکہ معظمہ کیطرف بارادہ حج روانہ ہو پڑے...... جب آپؐ مع جماعت حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ اپنی جمعیت لیکر مقابلہ کیلیے آگئے

اور مزاحم ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے آگے تمہیں بڑھنے نہیں دینگے۔ بہت ساری قیل و قال کے بعد اس مقام پر فریقین کے درمیان صلح تجویز ہوئی جس کا نام صلح حدیبیہ ہے اس صلح کی رو سے نہ صرف آنحضرت صلعم کو وہیں سے مدینہ کی طرف واپس ہونا ہی پڑا بلکہ اور بھی بعض ایسی باتیں منظور کرنی پڑیں جو صحابہؓ کو ناگوار گذریں۔ یہ شرائط عام طور پر مسلمانوں پر شاق گذریں کیونکہ انہیں حج کرنے کے بغیر وہیں سے واپس جانا پڑا۔ اسپر حضرت عمرؓ حضور رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے خیالات کو بدیں الفاظ پیش کیا۔ فقال عمر بن الخطاب فاتیت نبی الله صلی الله علیہ وسلم فقلت الست نبی الله حقا؟ قال بلے! قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی! قلت فلم نعطی الدنیة فی دیننا اذا- قال انی رسول الله ولست اعصیہ وهو ناصری قلت اولیس کنت تحدثنا انا سناتی البیت فنطوف بہ؟ قال بلی! افاخبرتک انا ناتیہ العام قال قلت لا قال فانک اتیہ ومطوف بہ- یعنی حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے فرمایا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپنے فرمایا ہاں بیشک میں خدا کا رسول برحق ہوں! پھر مینے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپنے فرمایا ہاں بیشک! پھر مینے عرض کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی مضر شرائط کو قبول کریں جو ہمارے دین کو نقصان پہنچانیوالی ہیں۔ اسپر آپنے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپنے یہ نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے اور طواف کرینگے؟ آپنے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال وہاں پہنچیں گے؟ پھر مینے جواب دیا نہیں! پھر آپنے فرمایا کہ بیشک تم بیت اللہ میں پہنچو گے اور طواف کروگے (بخاری کتاب الشروط)۔ اب جائے غور ہے کہ جو جرأت اور استقلال اور ہمت خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو عطا کی ہوئی تھی اس سے دنیا میں کوئی شخص بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی خادم تھے وہ بھی تمام جہان کو معلوم ہے۔ ایسا جلیل القدر انسان اپنے مکرم معظم مخدوم کی خدمت میں صرف اتنی بات پر اتنی بڑی جرأت سے بھرے ہوئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ بات ہی کیا تھی صرف یہی کہ آنحضرت صلعم نے کفار مکہ کے روکنے سے حج کے ارادہ کو سال آیندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اور صلح کے شرائط منظور کرکے حدیبیہ ہی سے مدینہ کی طرف مراجعت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کا ایمان آنحضرت صلعم پر دیکھتے ہیں اور انکی اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے آپ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ وہ جو کام کرتے ہیں خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر ایسے ایمان کے باوجود ایسے سوالات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حق کیلئے ایسے بہادر تھے کہ ذرا سی بات کو بھی فروگذاشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اسوقت تک صبر نہ کیا جبتک کہ انکی

خاطر خواہ تسلی نہ ہو گئی اور امر حق اُنکو نہ معلوم ہو گیا کہ حضور سرور کائنات صلعم کا رؤیا بالکل صحیح اور حق تھا لیکن اسمیں یہ شرط نہ تھی کہ حج اسی سال میں ہو گا بلکہ اس میں صرف حج کا وعدہ دیا گیا تھا جسکا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا۔ اور محض حدیبیہ سے لوٹ جانے اور اس سال میں حج کرنیسے قاصر رہنے سے یہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ رؤیا غلط تھا۔ وہ رؤیا ضرور پورا ہوا لیکن آیندہ سال میں۔ صحابہؓ نے جبتک اس تسلی بخش تفسیر رؤیا سے خبر نہ پالی اُسوقت تک خاموش نہ ہوئے اور انکے دلوں کی بیچینی دور نہ ہوئی۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ایک ہی حدیث اسبات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب کبھی کسی امر میں شبہ یا وسوسہ پیدا ہوتا تو انکی عادت تھی کہ نہایت آزادی کے ساتھ اسکو حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں پیش کر دیتے۔ اور جب تک تسلی نہ ہوتی خاموش نہ ہوتے اسلیے یہ یقینی بات ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک ذرہ تحریف یا تغیر و تبدل یا تصرف بھی واقعہ ہوتا تو اس پیشگوئی کی صداقت پر بہت زبردست اعتراض انکی طرف سے وارد ہوتے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ایسے اعتراضات آیندہ نسلوں میں بھی مشتہر اور معروف ہوتے لیکن تمام اسلامی کتب میں کہیں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ کبھی کوئی وسوسہ قرآن کریم کی تحریف و تصرف کی بابت پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف ہر قسم کے تصرفات و تحریفات و تغیرات سے پاک رہا ہے اور جس طرح آنحضرت صلعم سے صحابہ رضہ نے سیکھا تھا اسی طرح بلاکم و کاست آجتک موجود ہے۔ جس سے اس پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی صداقت ثابت ہے۔

مصنف تاویل القرآن نے محض بے سمجھی سے ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جسکا مطلب اس نے یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب یہ سب کا سب اُٹھا لیا جائیگا یہانتک کہ ایک آیت بھی باقی نہ چھوڑی جائیگی۔ اور اس مطلب سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جبکہ یہ جایز ہے کہ سارا قرآن شریف دنیا سے اُٹھ جائے اور ایک آیت بھی اسکی روئے زمین پر باقی نہ رہے تو پھر بھی وعدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون میں کچھ فرق نہیں آسکتا تو پھر اگر قرآن شریف کا کوئی حصہ گم ہو جائے یا اسمیں کوئی تصرف اور تحریف کر لیجائے تو اس وعدہ حفاظت میں کیونکر فرق آنا جایز تسلیم ہو سکتا ہے۔ اول تو اس پردہ نشین عیسائی مصنف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ابن ماجہ مسلمانوں میں اُن کتب میں سے نہیں مانی جاتی جن کی سند پر انکو سب سے اول درجہ پر ایمان ہے مسلمان اس کی روایات کو قرآن شریف کی آیات اور صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث پر حاکم نہیں سمجھتے قرآن شریف کے وعدہ کے مقابلہ میں ایسی بات کو لکھ کر اپنے اس دعوے کی تائید کرنا کہ حفاظت الذکر سے قرآن شریف کی حفاظت مراد نہیں راقم کی مطلق حماقت اور بے سمجھی پر دلیل بیّن ہے۔ ماسوائے اسکے یہ امر سمجھنا اسکے لیے بہت ضروری تھا کہ قرآن شریف کے اُٹھائے جانیسے مراد یہ نہیں کہ اسکی عبارت اور یا الفاظ کسی زمانہ میں دنیا

سے اُٹھا لیے جائیں گے۔ یہ تو نہایت لغو تعبیر ہے۔ اس کا صاف اور مسلم مطلب یہی ہے کہ مغز قرآن جہان سے اُٹھ جائیگا۔ یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب لوگوں کی زبان پر قرآن ہوگا مگر انکی عملی زندگیوں سے وہ خارج ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں جو احادیث صحیحہ اس مضمون پر آئی ہیں انسے صاف پایا جاتا ہے کہ علمِ قرآن علما کے نہ ہونیکی وجہ سے قبض کر لیا جائیگا نہ کہ اس کے الفاظ کے قبض کر لیے جانیکی وجہ سے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ علم کو لوگوں میں سے چھین کر نہیں لے جائیگا بلکہ علماء کے قبض کرنے سے علم قبض کریگا۔ ایسا ہی بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب اسلام سے کچھ نہ رہیگا مگر صرف اسکا نام۔ اور قرآن سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ۔ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔ یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب اسلام میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکا نام۔ اور قرآن میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکے الفاظ۔ انکی مسجدیں معمور ہونگی لیکن ہدایت کے نہونیکے سبب سے حقیقت میں ویران ہونگی۔ اور اُنکے علماء بگڑ کر ایسے خراب ہو گئے ہونگے کہ پردۂ آسمان کے نیچے اُنسے بڑھکر بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اُنسے ہی فتنہ نکلیگا اور انہیں میں عود کرکے داخل ہوگا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن اُٹھائے جانیسے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ گویا جسقدر قرآن لوگوں کے گھروں میں لکھے اور چھپے پڑے ہیں یا جسقدر قرآن کتب خانوں اور دُکانوں اور مسجدوں اور مقدس مقامات میں موجود ہیں وہ سب کے سب کسی روز دنیا سے اُٹھا لیے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے بڑی محنتوں سے اسکو کلًا یا جزءً حفظ کیا ہوا ہے انکے حافظوں سے بھی اسکو سلب کر دیا جائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عبادات بھی دنیا سے معدوم ہو جائیں گی اور اسوجہ سے اسلام ہی دنیا سے رخصت ہو جائیگا۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کبھی ابن ماجہ کی یہ منشاء ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے اس دین قویم کو ابد الآباد تک زندہ رکھے گا۔ اور اب تو جو ہزار سال کی نحوست کی کالی رات کی گھٹائیں اسپر منڈلا رہی تھیں وہ بھی گذر گئی ہیں اور آفتاب نصف النہار ہدایت و معرفت الٰہی چڑھ آیا ہے اور وہ دن آگئے ہیں کہ جب ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی اپنا اصلی رنگ دکھائیگی۔ مصنف تاویل القرآن کے بُرا ماننے اور اپنے دل کی معاندانہ ہوائی امنگوں کو

اس رنگ میں بیان کرنیسے کیا ہوسکتا ہے کاش وہ حدیث ابن ماجہ کے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کے لیے اپنے ناقص علم پر ہی حصر نہ کرتا بلکہ اگر انصاف اور حق پژوہی سے اُسے غرض تھی تو کسی واقف کار سے پوچھ لیتا اور مذکورہ بالا احادیث کے سوا ذرا ترمذی۔ احمد حنبل۔ اور دارمی سے اسی امر کی شہادت لے لیتا۔ تو پھر اس کو اچھی طرح معلوم ہوجاتا کہ تمام محدثین کا اس کے کونسے معنوں پر اتفاق ہے۔ اور کون شخص مصنف تاویل القرآن کے ساتھ متفق ہے۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ایک حدیث لکھی ہے جو ذیل میں نقل کیجاتی ہے۔ عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم۔ قلت یا رسول اللہ کیف یذھب العلم ونحن نقرء القراٰن ونقرءہ ابناءنا ویقرءہ ابناءنا ابناءھم الی یوم القیامۃ فقال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھٰذہ الیھود والنصاریٰ یقرءون التوراۃ والانجیل لا یعملون بشیءٍ مما فیھما یعنی زیاد بن لبید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی امر کے واقعہ ہونے کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے گم ہوجانیکے زمانہ میں واقعہ ہوگا۔ میں نے اسپر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علم مفقود ہوجاویگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلا جائیگا۔ یہ بات سُنکر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے زیاد! تیری ما تجھ سے محروم ہوجائے!! میں تو سمجھتا تھا کہ مدینہ میں تو ایک بڑا دانا آدمی ہے۔ کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے لیکن وہ انکی کسی بات پر عمل نہیں کرتے؟" اب اس حدیث سے ہمارے مقصود پر اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ کسی زمانہ میں علم گم ہوجائیگا تو معاً ایک صحابی نے یہ سمجھ کر کہ علم کے معنے صرف پڑھنے پڑھانے کے ہیں عرض کیا کہ جبکہ ہم خود قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد میں یہ سلسلہ تعلیم وتعلم قرآن شریف تا قیامت جاری رہیگا تو پھر علم گم کیونکر ہوجائیگا۔ چنانچہ اسکی تشریح خود آنحضرت صلعم نے یہود اور نصاریٰ کی مثال پیش کرکے فرمادی۔ یعنی علم سے مراد یہ نہیں کہ کتاب الٰہی کو طوطے کی طرح پڑھتے ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اسپر عمل کیا جائے۔ اور علم گم ہونے سے یہی مطلب ہے کہ گویا لوگوں میں سے عمل قرآن اُٹھ جائیگا نہ کہ اسکے الفاظ اور عبارات۔

مصنف تاویل القرآن نے ہماری تائید میں اپنے ذاتی نمونہ سے ایک بیّن ثبوت دیدیا ہے۔ کہ جبکہ انجیلی تعلیم کی رو سے اُسکا فرض تھا کہ وہ ایسے امور میں خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی حق پژوہی اور انصاف اور دیانتداری اور تقوے سے کام لے۔ اور دجل و مکر سے نہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے اور نہ دوسروں کو گمراہی اور فریب میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہو۔ تو اس تعلیم کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس نے اسپر عمل نہیں کیا۔ ہم اُسکی نسبت

اتنی بدظنی تو نہیں کر سکتے کہ وہ اس تعلیم سے ناواقف ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ضرور واقف ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس نے اسپر عمل کیا ہے؟ اسکا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! اس نے اس معاملہ میں انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے نفس کو بھی دھوکہ میں ڈالا اور دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ کیا کوئی منصف مزاج انسان ایک لمحہ کے لیے بھی گمان کر سکتا ہے کہ ابن ماجہ کی روایت سے وہی مطلب قطعی طور پر نکلتا ہے جو مصنف تاویل القرآن نے لکھا ہے۔ کیا اسکی حق جوئی اور انصاف پسندی اسی بات کی متقاضی تھی کہ ایک اہم امر کی بغیر علم اور بغیر تحقیقات اور بغیر مسلمات اپنی طرف سے منگھڑت تاویل کر دیتا۔ اور دوسری کتب میں اُسی حدیث کو نہ دیکھتا اور اگر دیکھا تھا تو عمداً لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اغماض کرتا۔ دراصل اُس حدیث کے یہی معنے ہیں کہ لوگ جانتے ہونگے اور پڑھتے اور لکھتے اور سنتے ہونگے مگر عمل نہیں کریں گے۔

جو باتیں اوپر لکھی جاچکی ہیں اُنسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام صحابہؓ بہت واضح طور سے آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون کے یہی معنے سمجھتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اُن ہر قسم کے تصرفات اور تحریفات سے محفوظ رکھیگا جو پہلی کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ کوئی انسان کسی طرح سے اسمیں سے نہ کچھ نکال سکیگا اور نہ اس میں ایک نقطہ بڑھانے پر قادر ہو سکیگا بجنسہ جیسا کہ نازل ہوا ویسا ہی تا قیامت موجود رہیگا۔ اور اس اہم اور زبردست وعدہ الٰہی کے متعلق کسی نے کبھی کوئی ذرا سا وسوسہ بھی پیش نہ کیا۔ آجتک جو کئی صدیاں گذر چکی ہیں بجنسہ وہی قرآن مجید ہم تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے اپنے صحابہؓ کو تعلیم کیا تھا۔ اس میں ایک سرمو کا فرق نہیں ہوا۔ ایک طرف اس زبردست وعدہ کا وجود اور دوسری طرف تواریخ کی سچی شہادت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن شریف پر کسی قسم کا تصرف نہیں ہونے پایا اور اسکی تحریف و تبدیل ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ ان صریح شہادتوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات بطور نتیجہ و کنایہ ثابت ہوتی ہے۔ بطور مثال اسجگہ ہم ایک امر کا ذکر کرتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں جب قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ ترجمہ۔ اے رسول! جو کچھ تم پر تمھارے رب کی طرف سے اُترا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دو۔ کیونکہ اگر تم اس کی تبلیغ نہ کروگے تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنا منصب پیغام رسانی پورا نہیں کیا اور اللہ تمھیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس قسم کا وعدہ اور بھی بہت ساری آیات میں پایا جاتا ہے پس آنحضرت صلعم سے یہ بھی ایک وعدہ الٰہی تھا کہ تمھارے دشمنوں کے بُرے خیالات اور گندے منصوبوں

اور ظالمانہ حملوں سے تمہاری حفاظت ہم خود کریں گے۔ اور اسی زمانہ میں حفاظت قرآن کا وعدہ بھی ہوا تھا۔ اور دونوں وعدے ایک ہی زبردست اور بے عیب ہستی کی طرف سے تھے جو تمام جہان کا مالک و خالق ہے۔ پہلے وعدہ کے پورا ہونیکا تعلق تو آنحضرت صلعم کی زندگی تک ہی تھا۔ اور دوسرے وعدہ کی ایفا آپ کی وفات کے بعد سے شروع ہونیوالی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشن کو دو خطرناک خطرات کا سامنا تھا۔ اول یہ کہ آپ دشمنوں کے منصوبوں اور حملوں کا شکار ہو کر قتل ہوجاتے سو اگر یہ واقعہ اسطرح ہوجاتا تو پھر آپکا سارا کاروبار اور تمام سلسلہ اور کتاب الٰہی جو آپ پر نازل ہو رہی تھی ناقص اور ناتمام رہ جاتے۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اس مقدس کتاب میں بھی پہلی کتابوں کی طرح انسانی تصرفات سے تحریف و تبدل واقعہ ہوجاتا اور اسطرح اسلام تباہ ہوتا۔ آپ سے پہلے بعض انبیا کو لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا تھا اور وہ کتابیں جو آپ سے پہلے انبیاء پر لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں وہ انکے بعد محرف و مبدل ہوگئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلعم کے مشن کو ان دو وعدوں سے نہایت مکمل کر دیا۔ انکی جان کی حفاظت ایسی کر دکھائی کہ باوجود دشمنوں کی اسقدر زور آوری اور جمعیت اور قوت کے اور باوجود آنحضور صلعم کی جمعیت کی قلت اور کمزوری کے خدا تعالیٰ نے انہیں ہر ایک حملہ و منصوبہ سے بچائے رکھا۔ اور کسی قاتل و غاصب کا انپر کوئی حملہ و منصوبہ پیش نہ جاسکا۔ جب انصاف اور غور سے اس زمانہ کے حالات پر نظر کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا کتاب کی حفاظت کے وعدہ کے ایفا سے بہت مشکل تھا۔ لیکن اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وعدہ بلا کم و کاست پورا ہو چکا۔ مکہ میں بھی مخالفوں نے طرح طرح کے منصوبوں سے آنحضرت صلعم کی جان پر حملے کیے اور مدینہ میں بھی آپ کو قتل کرنیکے منصوبے کیے گئے۔ لیکن وہ سب میں ناکام و نامراد رہے۔ جب اس ایک وعدہ کا پورا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے صحابہ رض نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ نے کیسی حکمتوں سے دشمنوں کو انکے منصوبوں اور حملوں میں پس پا کیا۔ اور ایک تنہا اور بیکس یتیم کی اسقدر مخالفتوں اور زبردست منصوبوں اور حملوں کے مقابلہ میں کسطرح جان بچائی اور اس کا کام پورا کرایا تو ان کا یقین اور ایمان اس بات پر اور بھی زیادہ ہوگیا کہ ایسا زبردست خدا دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا کریگا۔ چنانچہ وہ بھی آجتک پورا ہوتا رہا۔ اور اسی طرح ہوتا رہیگا۔ اور ان وعدوں کے پورا ہونے سے اسلام کے منجانب اللہ ہونیکا بین ثبوت ملتا ہے۔ اس کے بعد اب میں ان اسباب کو بیان کرونگا جو قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے مگر اس پہلے حصہ کے خاتمہ پر ایک بات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم نے اسے نہ گھٹانا اور نہ بڑھانا۔ مگر شریعت میں جسقدر احکام انسانوں کو دیے گئے بعض نے انکی خلاف ورزی بھی کی۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے۔ ایسا ہی توریت کی

حفاظت بھی چونکہ خدا نے انسانوں کے سپرد کی اس لیے ضروری تھا کہ اس میں گھٹایا بڑھایا جاتا اور تحریف بھی ہوتی۔ مگر قرآن شریف کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ وہاں حفاظت کی ذمہ واری خود اُٹھائی۔ اور یہی فرمایا کہ ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ جس سے الٰہی منشا صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف یا تغیر تبدل دخل نہ پائے۔ اگر کوئی صاحب دل ہو تو اس کے لیے تو یہ ایک نکتہ ہی کافی ہے کہ توریت کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سپرد کیا اور قرآن کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ یہ کوئی بے معنی امتیاز نہیں اور خدا اور انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ توریت میں کیوں تحریف ہوئی اور قرآن شریف کیوں ہر ایک قسم کی تحریف سے ایسا پاک رہا کہ اس کا اقرار ایک سخت ترین دشمنِ اسلام کو بھی کرنا پڑا۔ اگر مصنف تاویل القرآن کے دل میں کچھ بھی خوف خدا ہو اور وہ اس بات پر تدبّر کرے اور اس کی نیّت میں حق طلبی ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اکیلی یہی بات ہی اس کی ساری تاویل القرآن کا شافی اور اطمینان بخش جواب ہے۔ (باقی آیندہ)

طاعون کی ترقی

گذشتہ سال میں طاعون کی رفتار اسقدر سست ہوگئی تھی کہ بہت لوگ امید کرنے لگ گئے تھے کہ اسکا دورہ ختم ہوگیا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ اپنے مرسل سے یہ وعدہ کرچکا ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم یعنی جبتک لوگ ایک تبدیلی پیدا نہ کرینگے اسوقت تک وہ اپنے عذاب کو دُور نہ کریگا۔ سو عین اس وعدے کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ طاعون کی ترقی اس دفعہ گھبرا دینے والی ہے۔ ایک جنوری کے مہینہ میں پینسٹھ ہزار کے قریب انسان ہندوستان میں اس مرض سے مرا ہے۔ اور ماہ فروری کے صرف چار ہفتوں میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ انسان شکار طاعون ہوا یعنی ۲۔ فروری سے لیکر ۲۔ مارچ تک ایک لاکھ ایک ہزار اڑسٹھ انسان مرچکے ہیں اور یہ ابھی وہ موتیں ہیں جو سرکاری رپورٹوں میں آئیں اسکے علاوہ بہت سی موتیں طاعون کی ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسری بیماریاں ظاہر کیا جاتا ہے۔ طاعون کی اس خطرناک ترقی میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ سب سے زیادہ حصہ اموات کا پنجاب میں واقعہ ہوتا ہے مثلاً فروری کے ایک لاکھ طاعونی اموات میں سے اُنتالیس ہزار پانچسو سترہ اموات طاعونی یا چالیس ہزار کے قریب صرف پنجاب میں ہوئیں۔ جو کُل کا ۲/۵ حصہ ہے۔ اس نسبت کو دیکھ کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ پنجاب میں یہ مرض دیگر صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ اور یہی حالت ہر سال رہتی ہے یعنی حالانکہ طاعون ہندوستان کے تمام صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے مگر جو ترقی پنجاب میں اس نے کی ہے اور کسی جگہ نہیں کی۔ اس سے کیسا اس رُویا کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا تھا (اور یہ اس وقت کا رُویا ہے کہ جب ابھی اس ملک میں برائے نام ہی طاعون تھا) کہ سیاہ رنگ کے پودے جو طاعون کے درخت ہیں پنجاب کے مختلف مقامات

اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے تا معلوم ہو کہ تم اسکے ارادوں پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔ اور تا وہ اے اہل بیت تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ اور پھر انہیں کی طرف اشارہ کر کے الہام ہوا۔ (۲) ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۳) یاایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو تم اپنے رب کی پرستش کرو۔ وہ خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اس میں تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل بیت کسی دوسرے کو تکیہ گاہ مت بناؤ وہی خدا تیرا متکفل اور رازق ہے جس نے پیدا کیا۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۴) یاایها الناس اتقوا ربکم اللہ خلقکم ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل بیت خدا سے ڈرو۔ اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اور نہ کوئی بات منہ سے نکالو۔ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور پھر میری طرف سے بطور حکایت الہام ہوا۔ (۵) اے میرے اہل بیت خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے۔ اور پھر مجھے مخاطب کر کے الہام ہوا۔ (۶) انت منّی وانا منک۔ انت الذی طار الیّ روحہ۔ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور میں اس زمانہ میں تجھ سے ظاہر ہونیوالا ہوں۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ۷۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء (۱) ربنا افتح بیننا وبینهم (۲) اعجبتم ان تموتوا۔ (۳) ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ (۴) پچیس دن (یا یہ کہ پچیس دن تک) (۵) من الناس والعامۃ (ای من خواص الناس والعامۃ) ترجمہ۔ اے خدا ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں فیصلہ کر۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تم موت کا شکار ہو جاؤ .... طاعون خاص لوگوں میں بھی پڑیگی اور عام لوگوں میں بھی۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کن لوگوں کی طرف یا کس کی طرف اشارہ ہے۔ اور پچیس ۲۵ دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ مارچ سے پچیس دن پورے ہونیکے سر پہ یا ۷ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک کوئی واقعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ تقدیر الٰہی اس واقعہ کو روک رکھے جب تک کہ ۷۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن گذر نہ جاویں یا یہ کہ ۷۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک یہ واقعہ ظہور میں آجائیگا اگر صرف پچیس دن کے لحاظ سے معنے کیے جائیں۔ تو اس طور سے ضرور ہے کہ اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امید رکھی جائے۔ کیونکہ الہام الٰہی کے رو سے ساتویں مارچ پچیس دن کے شمار میں داخل ہے اس صورت میں پچیس دن مارچ کی اکتیس ۳۱ تاریخ تک پورے ہو جاتے ہیں تو اس طور پر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیشگوئی کیگئی ہے اسکا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں ثابت ہو جائیگا اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعہ ہماری ذات سے متعلق ہے یا ہمارے دوستوں کے متعلق یا دشمنوں کے متعلق۔ جس امر کو خدا نے پوشیدہ کیا ہے ہم ظاہر نہیں کر سکتے۔

بعد اس کے ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کا مکرر یہ بھی الہام ہے۔ (۱) یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ۔ (۲) انت منّی وانا منک۔ (۳) ظهورک ظهوری۔ (۴) انت الذی طار الیّ روحه (۵) انی انا اللہ ذوالمجد والعطا۔ (۶) انزل الرحمۃ علیٰ من اشاء۔ ترجمہ۔ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دونگا اور اپنی طرف اٹھاؤنگا۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔

میں خدا ہوں صاحب جود اور بخشش جسپر چاہتا ہوں رحمت نازل کرتا ہوں۔ ۱۳۔مارچ شنبہ ۶ ۱۹۰۷ء(۱)۔لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ (۲) ویل لک ولافکٌ۔ ترجمہ۔ اے مخالف تیرے پر لعنت اور تیرے جھوٹ پر۔ (۳) انّی نعیت۔ ترجمہ۔ یعنے ایک شخص کی موت کی خبر دی۔ (۴) انّی انا اللہ لا الٰہ الّا انا۔ ترجمہ۔ میں ہی خدا ہوں میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ (۵) انّ اللہ مع الصادقین۔ ترجمہ۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یہ پیشگوئی آج پوری ہوگئی کہ آج ہی سول میں خبر آئی ہے کہ ڈوئی جس کے عذاب کے بارے میں خبر دی تھی مر گیا یہ وہی ڈوئی ہے جسکو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا) (۶) ایک امتحان ہے بعض اُس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائینگے۔ (۷) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ ترجمہ خدا نے ارادہ کیا ہے اے اہل خانہ کہ تمھاری پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ (یہ تیسری مرتبہ الہام ہوا واللہ اعلم بالصواب) (۸) اعجبنی موتکم۔ ترجمہ تمھاری موت نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ (۹) یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی۔ (۱۰) ریاست کابل میں قریب پچاسی ۸۵ ہزار کے آدمی مرینگے۔ (۱۱) واستوت علی الجودی۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی) یعنی پانی خشک کیا جائیگا اور جو کچھ ہمارا ارادہ ہے ہم پورا کر لینگے اور کشتی جودی پر ٹھہر جائے گی

Digitized by Khilafat Library

لغات القرآن جلد دویم :۔ یہ قیمتی کتاب اب مکمل ہوگئی ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ سمجھنے کیلیے ایسی کتاب کا پاس ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ کتاب اب صدر انجمن احمدیہ کے کتب خانہ میں ہے کیونکہ حکیم فضل دین صاحب نے جن کی شراکت سے عرب عبد الحی صاحب نے اس کتاب کو چھاپا تھا اپنا تمام کتب خانہ صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دیا ہے۔ اس کتاب کے ایک کالم میں معتبر عربی لغاتوں سے قرآن کریم کے عربی لغات اور دوسرے کالم میں اس کا اردو ترجمہ ہے۔ عربی جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں اس سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں بلکہ نہ جاننے والوں کو علم عربی کے حاصل کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ قیمت حصہ اوّل عہ حصہ دویم عہ مکمل عہ علاوہ محصولڈاک۔ صرف ایک ہی جگہ سے مل سکتی ہے۔ یعنی دفتر مقبرہ بہشتی صدر انجمن احمدیہ قادیان سے۔ تعمیل بذریعہ وی پی ہوگی۔ حضرت اقدس ؑ کی بعض دیگر تصانیف بھی اس جگہ سے مل سکتی ہیں۔

آنکھوں کے بیماروں کو مژدہ

میاں ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ساکن راہوں۔ ضلع جالندھر۔ جنہوں نے لنڈن یا سٹریلیا افریقہ میں آنکھوں کے علاج سے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ اور ان کے پاس بہت کثرت سے سارٹیفکٹ بھی موجود ہیں۔ انگریزی اور یونانی دو طرح سے آنکھیں بناتے ہیں۔ ہماری جماعت کے مخلص ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ لوگوں کو انسے نفع پہنچے گا۔ دستخط (نور دین)

اعلان ۔ ہر ایک سامان کرکٹ ٹینس فٹ بال و جمناسٹک وغیرہ مستری نظام الدین احمدی تیر سیالکوٹ سے مل سکتا ہے۔ مکمل فہرست مفت۔

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا